امداد باہمی

یعنی

کوآپریشن کا نظام

مرتبہ

عبدالمجید خاں سالک بی۔اے

۱۹۲۶ء

دارالاشاعت پنجاب لاہور

بار اول ۲۰۰۰

قیمت عہ

۱۴۰۰

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر چھپی

دیباچہ

کواپریٹو سوسائٹیوں کا نظام جسے بعض لوگ نظامِ تعاون اور بعض تحریکِ امداد باہمی کے نام سے موسوم کرتے ہیں غریب ملازموں مزدوروں کاریگروں اور علی الخصوص کاشتکاروں کے مالی حالات کی اصلاح میں بے انتہا بابرکت ثابت ہوا ہے۔ اور اس امر کی ضرورت ہے۔ کہ حتی الوسع اس نظام کو قوی تر اور وسیع تر کر دیا جائے۔ چونکہ پنجاب کاشتکاروں کا صوبہ ہے۔ اور ساہوکاروں اور سرمایہ داروں نے ان کا گلا گھونٹ دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ اس صوبے کے کاشتکاروں کو "زمیندارہ بنکوں" کے تصور سے بیش از بیش آشنا کیا جائے۔ اور جو تعاونی انجمنیں قائم ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

میں نے اس کتاب میں یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ دنیا میں سرمایہ داری نے جو لعنتیں پھیلا رکھی ہیں۔ ان کا بہترین مداوا "تعاون" ہے۔ یوں تو اس اصول کو قوم کے ہر طبقے کی سود و بہبود کے لئے استعمال کرنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن کسان چونکہ انتہائی کس مپرسی اور ناداری کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور اپنے ذرائع معاش کے مالک ہونے کے باوجود ساہوکاروں کے ہاتھوں تباہی

سے گڑھے میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔ لہذا قرضے کی تعاونی انجمنیں علی الخصوص زیادہ تعداد میں قائم ہونی چاہئیں۔ جو انہیں بے درد ساہوکاروں سے بے نیاز کرکے ہمدرد بھائیوں سے ان کا سابقہ پیدا کریں۔ اور انہیں بربادی و ہلاکت سے بچا لیں۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ پنجاب کے کاشتکاروں پر قرضے کا بوجھ کس قدر خوفناک ہے۔ تحریک تعاون نے انہیں کیا فوائد بہم پہنچائے ہیں۔ اور آئندہ اس تحریک سے کیا کیا امیدیں وابستہ ہیں۔

چونکہ میں نے اس کتاب کی تحریر میں حتی الوسع سادگی و سلاست کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور غیر متعلق مباحث سے اسے گرانبار نہیں کیا۔ اس لئے امید رکھتا ہوں۔ کہ ہر اردو خواں پنجابی اُسے غور سے پڑھے گا۔ اور اس کا مقصد سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔

میں مسٹر کیلورٹ۔ مسٹر سٹرکلینڈ اور مسٹر ڈارلنگ کا علی الخصوص شکرگزار ہوں۔ جن کی کتابوں سے مجھے بے انتہا مدد ملی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ پنجاب کے اقتصادی مسائل کی تحقیق اور تحریک تعاون کی توسیع میں ان اصحاب کی مساعی مستحق ہزار تحسین ہیں۔

عبدالمجید سالک

1. Co-operation in India by C. F. Strickland, I. C. S.
2. Co-operation Movement in India by P. Muckerjee, M.A.
3. The Law and Principles of Co-operation by H. Calvert, I.C.S.
4. Mussulmans and Money Lenders in the Punjab by S. S. Thorburn, I.C.S.
5. The Punjab Peasant by M. L. Darling, I.C.S.
6. Wealth and Welfare of Punjab by H. Calvert, I.C.S.
7. Punjab Co-operative Societie's Reports by Different Registrars.
8. Co-operative Societies Act I 1904.
9. Co-operative Societies Act II 1912.
10. Report of the Imperial Committee on Co-operation by Sir Edward Maclagan and his Co-workers.
11. Different Reports and Magazines.

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین
۸۶	پنجابی کسان کی خوشحالی اور اس کا قرض
	پہلی فصل۔ پنجاب کا کسان
۹۶	دوسری فصل۔ پنجابی کسان کے قرضے کے اسباب
۱۱۳	تیسری فصل۔ پنجابی کسانوں کے قرضے کی مقدار
	پانچواں باب
۱۲۱	پنجاب کے سود خوار
	پہلی فصل ساہوکاروں کے طور طریقے
۱۴۵	دوسری فصل۔ قانونِ انتقال اراضی
	چھٹا باب
۱۵۶	پنجاب کی تعاونی انجمنیں
	پہلی فصل۔ تعاونی انجمنوں کا نظام
۱۶۷	دوسری فصل۔ تعاونی انجمنوں کے فوائد
	ساتواں باب
۱۷۶	مختلف ضروری مسائل
	پہلی فصل۔ تعاونی انجمنوں کی مختلف قسمیں
۱۸۰	دوسری فصل۔ تعاونی انجمنیں اور حکومت وقت
۱۸۹	چند آخری کلمات

پہلا باب

زمانۂ حاضر کی سرمایہ داری

پہلی فصل

نئے اقتصادی نظام کے نقائص

انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزر چکا ہے۔ جب دنیا میں حکومت کے کسی آئین کا نام و نشان نہ تھا۔ حمل و نقل کے ذریعے محدود تھے۔ نہ سکہ تھا۔ نہ تجارت تھی۔ نہ علم تھا۔ نہ تنظیم

تھی - اناج پیدا کرنے والا کاشتکار اپنے گاؤں کے جلاہے - موچی - کمہار - اور دوسرے پیشہ وروں کو اناج بہم پہنچا دیتا تھا - اور وہ اس کے بدلے میں اسے کپڑا - جوتا - برتن اور دوسری چیزیں مہیا کر دیتے تھے۔ چونکہ مانگ اور کھپت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا - اس لئے اکثر ایسا ہوتا - کہ کبھی تو کاشتکاروں اور پیشہ وروں کے پاس اپنی پیداواروں کا بہت بڑا ذخیرہ بچ رہتا - اور کبھی اس قدر تھوڑا جاتا - کہ زندگی کی معمولی ضروریات بھی پوری نہ ہو سکتیں۔ اس میں شک نہیں - کہ ہر شخص آزاد و خود مختار تھا - لیکن اس کے ساتھ ہی بے بس اور غیر مطمئن بھی تھا - کوئی شخص دوسرے پر اعتبار نہ کرتا تھا - نہ ساکھ تھی - نہ سرمایہ تھا - اور زندگی نہایت محدود - بے روح - اور ساکن تھی - ہر شخص اپنے حال پر قانع تھا - ذرائع بھی محدود تھے - اور ضروریات بھی محدود تھیں - یہی وجہ تھی - کہ ترقی کی نوبت ہی نہ آتی تھی ؛

لیکن جب باقاعدہ حکومتیں قائم ہونے لگیں - اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کے ذرائع بھی بڑھ گئے - تو کارخانہ دار اور تاجر پیدا ہو گئے - یہ لوگ تھوڑا بہت سرمایہ رکھتے تھے - اور دوسرے لوگ ان پر اعتبار بھی کرتے تھے - کارخانہ دار سرمائے کی مدد سے چیزوں کا بہت بڑا ذخیرہ طیار کر لیتا تھا - اور تاجر اس ذخیرے کو اپنے

پاس فروخت کی غرض سے محفوظ رکھتا تھا+ چونکہ ان دونوں کے
درمیان قرضے کی ساکھ قائم تھی۔ اس لئے حساب چلتا رہتا تھا۔ اور
تاجر کو اشیا کی قیمت فوراً ہی ادا نہ کرنی پڑتی تھی + پرانے زمانے
میں تو چیزوں کے پیدا کرنے والے اور استعمال کرنے والے کے
درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔ موچی جلاہے کو جوتا بنا کر دے دیتا تھا
اور جلاہا موچی کو کپڑا مہیا کر دیتا تھا۔ اور اس طرح مبادلہ براہِ راست
ہوتا تھا+ لیکن اب اس مبادلہ میں درمیانی آدمی یعنی تاجر لوگ
واسطہ بن گئے تھے۔ اگرچہ یہ درمیانی آدمی اپنے سرمایے کی وجہ سے
کافی نفع کماتے تھے+ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ چیزوں کے
بنانے والے اور استعمال کرنے والے کا بہت سا وقت بچ جاتا تھا
اور تمام ضروریات کا ہر وقت بہم پہنچنا یقینی ہو گیا تھا+ اب گویا دنیا
بہت بڑی حد تک باقاعدہ ہو چکی تھی۔ انسانوں کی ضروریات
پوری ہونے کا انحصار ایک دوسرے پر ہو گیا تھا۔ وہ مبادلہ کی
مدد سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مبادلہ کی بنیاد ساکھ پر قائم تھی+
اتنے میں تہذیب جدید کا دور دورہ شروع ہوا۔ سائینس نے
حیرت انگیز ترقی شروع کر دی۔ ایک طرف ہر صنعت کے لئے مشینیں
طیار ہو گئیں۔ اور دوسری طرف اشتہارات نے مصنوعات کا
ڈھنڈورا ساری دنیا میں پیٹنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پرانے

کارفرما کارخانہ دار اور تاجر کی جگہ سرمایہ دار مالکوں اور تھوک کے
سوداگروں نے لے لی۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر صنعت اور تجارت
کا کام بڑی بڑی کمپنیوں نے سنبھال لیا جن کی متحدہ دولت کا
کچھ اندازہ ہی نہ تھا۔ آج چیز کے پیدا کرنے والے اور استعمال
کرنے والے ایک دوسرے سے بہت ہی دور جا پڑے ہیں۔ درمیانی
آدمیوں کا ایک ہجوم ہے۔ جو اُن سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ مزدور
کی محنت اور چیز خریدنے والے کے روپے سے کارخانوں کے
مالک۔ کمپنیوں کے حصے دار۔ تھوک کے سوداگر۔ دلال چھوٹے
دُکان دار غرض بے شمار آدمی پل رہے ہیں۔ جو اپنی ساکھ اور
تجارتی منڈی کی واقفیت کے باعث پیداوار اور فروخت دونوں
پر قبضہ کئے بیٹھے ہیں۔ اب چیز کے بنانے والے اور اس کے
خریدار کے درمیان اس قدر دوری پیدا ہو چکی ہے۔ کہ بنانے والا
خریدار کی اصلی ضرورت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اور خریدنے والا
یہ نہیں سمجھ سکتا۔ کہ جو چیز اسے مل رہی ہے۔ اس کی اصلی مالیت
کیا ہے۔ اور تاجر اس کی کیا قیمت وصول کر رہا ہے۔ اسی دُوری
کے باعث آج کل کی سرمایہ داری میں دو نہایت خطرناک عیب
پیدا ہو گئے ہیں۔ اول بازار کی اصلی ضرورت کا صحیح اندازہ نہیں
ہو سکتا۔ اور اشیا ضرورت سے زیادہ طیار ہو جاتی ہیں۔ اس کی

وجہ سے اشیا کی تضیع ہوتی ہے۔ دوم۔ چونکہ چیز کا خریدار اپنی خواہش اور ضرورت کو براہِ راست چیز کے پیدا کرنے والے تک نہیں پہنچا سکتا۔ نہ چیزوں کی اصلی قدر و وقعت کو پہچان سکتا ہے۔ اس لئے مصنوعات میں جعل و دغا کا عنصر داخل ہو رہا ہے۔ اور ناقص چیزیں طیار ہو رہی ہیں۔

اب ذرا غور کرو۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ تضیع کا پہلا نقصان تو چیزوں کے پیدا کرنے والے کو پہنچتا ہے۔ وہ اشیا کا اتنا بڑا ذخیرہ تاجر کے حوالے کر دیتا ہے۔ جسے تاجر آسانی سے فروخت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ پیدا کرنے والے کو ان اشیا کی قیمت کم ملتی ہے۔ اب تاجر کو کیا پڑی ہے۔ کہ وہ ایسی چیز فروخت کرے جس پر کسی نفع کی امید نہیں۔ وہ تو اپنی چیزیں خوردہ فروش دکانداروں یا عام خریداروں کے ہاتھ ایسی قیمت پر بیچے گا۔ جس سے یہ خطرہ باقی نہ رہے۔ کہ وہ چیزیں فروخت ہونے سے رہ جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ چیز کے استعمال کرنے والے یعنی خریدار کو زیادہ قیمت دینی پڑتی ہے۔ گویا آخر ساری مصیبت خریدار ہی کے سر پڑتی ہے۔

رہا جعل و دغا۔ اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ خریدار اشتہاروں کی شان دار عبارت پڑھ کر یا تاجر کی شہرت سے متاثر ہو کر پھنس جاتا ہے۔ اس سے بہتر چیز تک اس کی رسائی

نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ اسی پر قانع ہو جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے۔ ہمارے ان خیالات سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ عظیم الشان کارخانوں کا قیام اور تاجروں کی مداخلت میں کوئی خاص عیب ہے نہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک تو کارخانوں میں سامان اور مزدوروں کا اجتماع اور اشتہار و فروخت میں اعلےٰ درجے کے دماغوں کی کارفرمائی دنیا کے لئے بہت مفید ہے۔ کیونکہ یہی ایک چیز ہے۔ جس کی وجہ سے آج دنیا کا ہر شخص ان نعمتوں اور ان ضروری چیزوں سے بہرہ اندوز ہو رہا ہے۔ جو اس کے باپ دادا کے خواب و خیال میں بھی نہ آئی تھیں۔ لیکن اس نئے نظام میں جو بڑے بڑے عیب ہیں۔ وہ بھی ظاہر ہیں۔ مثلاً بعض اشتہار بالکل جھوٹے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات مختلف کارخانوں کا مقابلہ تباہ کن ہو جاتا ہے۔ ہر چیز کے بڑے بڑے کارخانہ دار اور تاجر اس چیز کے تنہا اجارہ دار بن جانا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے۔ کہ اس قسم کا اجارہ ظلم و ستم کی صورت بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا عیب یہ ہے۔ کہ ہر چیز کو اپنے پیدا کرنے والے سے لے کر اصلی خریدار تک پہنچنے میں بے شمار ہاتھوں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ عام خریدار کو اس چیز کی اصلی لاگت سے بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے جس طرح مقدموں میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں

تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور وکیل اپنا اُلّو سیدھا کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اس نظام میں چیزوں کے پیدا کرنے والے اور استعمال کرنے والے نقصان اُٹھاتے ہیں۔ اور سارا نفع درمیانی آدمی کھا جاتے ہیں ٭

تیسری چیز جو آج کل کی سرمایہ داری میں سب سے بڑی لعنت ہے۔ وہ کارخانوں کے مزدوروں کی بے اطمینانی ہے + جو لوگ پرانے زمانے میں آزادی سے روٹی کماتے تھے۔ اور خوش رہتے تھے۔ آج کل مزدوری کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی آزادی سلب ہو چکی ہے۔ زندگی کی ضرورتیں زیادہ ہو چکی ہیں۔ اور وہ اپنے باپ دادا کے مقابلے میں شہری حقوق بھی بہت ہی کم رکھتے ہیں + یہی وجہ ہے۔ کہ آج مزدور اور کاری گر ہر جگہ بیقرار ہو رہے ہیں۔ وہ چوٹی سے ایڑی تک کا پسینہ بہا کر دولت پیدا کرتے ہیں۔ لیکن انہیں محنت کا بہت کم معاوضہ ملتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ اپنی پیدا کی ہوئی دولت میں حصے دار بن کر رہیں۔ اور انہیں تقرر۔ موقوفی اور ترقی میں خاص حقوق حاصل ہوں۔ اس کے علاوہ وہ دن رات ایک ہی قسم کا کام کر کر کے اکتا بھی گئے ہیں۔ پہلے اس قسم کی بے چینی کسی کسی کارخانے میں پیدا ہوتی تھی۔ لیکن اب عالم گیر ہو چکی ہے + اسی بے چینی نے روس کی عظیم الشان سلطنت کا تختہ اُلٹ دیا ہے۔ اور اب تمام صنعتی ممالک کا امن و امان اسی بے چینی کی

وجہ سے خطرے میں پڑ رہا ہے ۔

ان تمام اقتصادی پیچیدگیوں میں زراعت پیشہ لوگوں کی حالت بہت ہی عجیب ہے۔ زمین داران تجارتی طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جو اس کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ اسے خام اشیا کی ضرورت پڑتی ہے۔ روپیہ قرض لینے کی حاجت ہوتی ہے۔ لیکن اسے ہر چیز کی نہایت گراں بار قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ قرض پر بہت زیادہ سُود دینا پڑتا ہے۔ ناقص بیج اور بے کار آلات زراعت پر قناعت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اس کی پیداوار کی قیمت کافی نہیں ملتی۔ وہ نہایت اچھا اناج مہیا کرتا ہے۔ لیکن آٹے والا اس میں مٹی ملا کر بہت سے پیسے وصول کر لیتا ہے۔ وہ نہایت خالص دودھ دُکان دار کو دیتا ہے۔ لیکن دُکان دار اس میں پانی ڈال کر خوب روپے کماتا ہے۔ زمین دار کے ماتحت جو مزارع یا ملازم ہیں۔ وہ بھی مزدور ہونے کی وجہ سے بے چین اور بے اطمینان نظر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ جو زمین دار اپنی آزادی پر فخر کرنے کا عادی ہے۔ وہ ان حالات میں اپنے آپ کو بالکل بے بس پاتا ہے۔ ساہوکار۔ مہاجن۔ تاجر۔ کارخانہ دار سبھی اسی کا لہو پیتے ہیں۔ اور وہ غریب اُف نہیں کر سکتا ۔

اس تمام بحث سے تم کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ آج کل کی سرمایہ داری

میں تین بڑے بڑے عیب ہیں۔ اوّل۔ اشیائے ضروری کی مقدار کا غلط اندازہ۔ دوم جعل و دغابازی۔ سوم۔ مزدوروں اور کسانوں کی بدحالی ان تینوں عیوب کو رفع کرنے کے لئے بہت سے علاج سوچے گئے ہیں۔ جن کا مختصر تذکرہ آیندہ فصل میں کیا گیا ہے ؀

دوسری فصل

نقائص کی اصلاح کے مختلف طریقے

ان عیوب کو دور کرنے کے لئے جو مختلف طریقے تجویز کئے جارہے ہیں۔ ان کا بیان ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ پڑھنے والے اندازہ کرلیں۔ کہ یہ طریقے کس حد تک مفید ہو سکتے ہیں:۔

اوّل۔ سرمایہ داری کے نظام میں بعض ترمیمیں کی جائیں۔ جن سے مزدوروں کی بے چینی رفع ہو۔ مزدوری کے درجے مقرر کئے جائیں۔ ان کا مدار مصنوعات کی قیمت فروخت پر ہو۔ یا عام ضروریات زندگی کی گرانی یا ارزانی پر منحصر ہو۔ ایسی مجلسیں قائم کی جائیں۔ جو مزدوری کی شرح تجویز کریں۔ اور محنت کی شرائط مقرر کرنے کے متعلق مالکوں اور مزدوروں کے درمیان ثالث بنیں۔ ہر کارخانے میں یا ہر صنعت

کے لئے ایک مشترک مجلسِ نگراں مقرر کی جائے۔ جس میں کچھ نمایندے مزدوروں کے ہوں۔ کچھ مالکوں کی طرف سے مقرر کئے جائیں۔ اور ضرورت پڑے تو حکومت بھی اپنے نمایندے نامزد کر کے ان میں بھیج دے۔ سالانہ منافع کا ایک حصہ مزدوروں میں تقسیم کیا جائے۔ مالکوں اور مزدوروں کے جھگڑے چکانے کے لئے پنچایتیں قائم کی جائیں۔ اس قسم کی بہت سی تجویزیں پیش کی جاتی ہیں۔ اور تجربے کے طور پر عمل میں بھی لائی جاتی ہیں۔ لیکن کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلتا۔ کارخانے کا مالک یا حصہ دار سارا منافع خود ہی ہتیا لیتا ہے۔ اور اگر کسی طریقے سے اس کا منافع معین بھی کر دیا جائے۔ تو اس کے اقتدار کو کون محدود کر سکتا ہے؟ جب تک سرمایہ شخصی رہے گا۔ سرمایہ دار مالک کارخانے پر حکومت کرتا رہے گا۔ کیونکہ وہ جب چاہے۔ کارخانے کو بند کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان تمام تدبیروں کے باوجود مزدوروں کا اضطراب برابر قائم ہے۔

ضرورت کا صحیح اندازہ نہ کرنے سے جو تضییع ہوتی ہے۔ اس کو دور کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ کہ بازار کو منظم کر دیا جائے۔ یعنی کوئی خاص قسم کا اجارہ قائم ہو جائے۔ تاکہ اجارہ دار اپنی تجارتی معلومات کی بنا پر دنیا کی ضرورت کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد چیزوں کو بازار میں لائے۔ لیکن جب تک اجارہ دار عام افراد میں سے ہوں گے۔

وہ کبھی اتنی زیادہ اشیا پیدا کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔ جن سے چیزیں سستی ہو جائیں۔ اور ہر شخص انہیں خرید سکے۔ بلکہ وہ خریداروں کو اتنی قیمت پر چیزیں مہیا کریں گے۔ جس سے وہ خود زیادہ سے زیادہ نفع کما سکیں۔ اس طرح گویا تضییع کی جگہ ایک "مصنوعی کیمیا بی" پیدا ہو جائے گی ؎

رہا جعل و دغا۔ اسے دور کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ جعلی اور ناقص چیزیں طیار کرنے سے بنانے والوں کو بہت سا مالی نفع ہو جاتا ہے۔ اور کارخانے کے مالک اور حصہ دار ہر چیز سے پہلے اپنا نفع چاہتے ہیں + پرانے زمانے کے لوگ اپنی مصنوعات میں بے ایمانی نہیں کرتے تھے! اور آج کل بھی عام کاری گر بے ایمانی کی طرف بہت کم مائل ہوتا ہے۔ لیکن جب مقابلہ آن پڑے۔ تو اسے بھی ناچار اپنا اعلےٰ معیار ترک کرنا پڑتا ہے۔ جب تک سرمایہ داری قائم ہے۔ جعلی اور ناقص چیزیں برابر طیار ہوتی رہیں گی چیزوں کے بنانے والے اور استعمال کرنے والے دونوں بے بس ہیں۔ قانون کا کوئی اثر نہیں۔ اور کارخانہ دار اور حصے دار بالکل بے پروا ہیں ؎

دوم۔ سوشلزم (اشتراکیت) کا حامی یہ کہتا ہے۔ کہ اگر عام سرمایہ داری کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ تو بہتر ہے۔ کہ سارا سرمایہ اور تمام صنعتیں

حکومت کے حوالے کر دی جائیں۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اگر سارا سرمایہ حکومت کے ہاتھ آجائے۔ اور تمام صنعتیں بھی اسی کے قبضے میں ہوں۔ تو چیزیں بہت اچھی طیار ہوں گی۔ جان بوجھ کر کوئی ان میں جعل و دغا نہ کرے گا۔ اشتراکی حکومت بہترین تجارتی معلومات حاصل کر سکے گی۔ بہترین لایق اور باخبر آدمیوں کی لیاقت سے فائدہ اُٹھا سکے گی۔ اور اپنے ملک کی ضروریات کا پورا پورا اندازہ کر سکے گی۔ اس کے علاوہ اس کی دلی خواہش یہی ہوگی۔ کہ ہر شخص کو عمدہ اور سستی چیزیں مل سکیں۔ جب اسی قسم کی اشتراکیت مختلف قوموں کے درمیان قائم ہوگئی۔ تو یہی عاقبت اندیشی فیاضی اور ایمان داری ساری دنیا میں عام ہو جائے گی۔

لیکن غور کیا جائے۔ تو اشتراکی حکومت کے ماتحت بھی بعض نقائص نظر آتے ہیں۔ مثلاً حکومت کا انتظام ہمیشہ عمدہ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ سرکاری ملازم کا کوئی نفع یا نقصان صنعتوں کے ساتھ وابستہ نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ ہمیشہ دل لگا کر کام نہ کرے گا۔ اس کے ماتحت جو چھوٹے ملازم کام کریں گے۔ ان میں سے بعض نا قابل اور کاہل بھی ہوں گے۔ ان سے بھی چھٹکارا بہت مشکل ہے۔ پھر سرکاری کاموں کو تو تم جانتے ہی ہو۔ ان میں کفایت شعاری کا خیال رکھنا

بہت دشوار ہوتا ہے۔ گویا جس تضیع کا سدّباب منظور ہے۔ وہ اشتراکی نظام میں بھی پیدا ہو سکتی ہے + اس کے علاوہ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو مزدوروں کی شکایتوں کا بھی پورا علاج نہیں ہوتا۔ مثلاً اشتراکی حکومت میں ہر شخص حکومت کا ملازم ہے۔ حکومت ہی سے تنخواہ پاتا ہے۔ اور اپنے اغراض کی حفاظت کے لئے اپنے ہم پیشہ اشخاص سے متحد رہتا ہے + مزدوروں کی اجرت ہمیشہ منافع میں سے ادا کی جاتی ہے۔ حکومت چونکہ سرمایہ دار ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ اپنے سرمائے کو بھی قائم رکھے۔ اور نئے کاموں کے لئے بھی کچھ روپیہ بچائے + ایسی صورت میں مزدوروں کی شرحِ اجرت کو بڑھانے کا صرف یہی طریقہ ہے۔ کہ اشیا کی قیمتیں بڑھادی جائیں۔ تاکہ نفع زیادہ ہو۔ ایسی صورت میں ہر صنعت کے ذمہ دار یہ کوشش کریں گے۔ کہ ان کی مصنوعات گراں ہو جائیں۔ تاکہ ان کے مزدور زیادہ اجرت حاصل کر سکیں + اس کے علاوہ وہ یہ بھی چاہیں گے۔ کہ دوسری صنعتوں کی مزدوری نہ بڑھنے پائے۔ تاکہ وہ ان کی پیداوار سستی قیمت پر خرید سکیں + جب صنعتوں کے درمیان اس قسم کا تصادم ہوگا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ اشتراکی حکومت کے ماتحت سیاسی امن وسکون کیونکر برقرار رہ سکتا ہے + آئے دن مختلف جماعتیں ایک دوسری سے دست وگریبان ہوا کریں گی۔ اور سارے کے

سارے مزدور ہرگز خوش حال نہ رہ سکیں گے ۔

سوم ۔ کمیونزم جسے اشتمالیت کہنا چاہئے ۔ اشتراکیت سے کسی قدر مختلف ہے ۔ اس کا اصول یہ ہے ۔ کہ مصنوعات کی تجارت سے جو کچھ وصول ہو ۔ وہ تمام مزدوروں میں تقریباً برابر برابر تقسیم کردیا جائے ۔ پہلے پہل تو کمیونزم والے یہ چاہتے تھے ۔ کہ ہر قصبہ یا حلقہ (کمیون) خود مختار اور آزاد رہے ۔ اور اپنی آمدنی کو سب پر مساوی تقسیم کرلیا کرے ۔ لیکن اب یہ خیال رفع ہو رہا ہے ۔ کیونکہ روس میں یہ تجربہ کامیاب نہیں ہوا ۔ اصل بات یہ ہے ۔ کہ ملک بھر کی اقتصادی زندگی بالکل ایک ہوتی ہے ۔ اس کے بہت سے الگ الگ حصے نہیں کئے جاسکتے ۔ اور اگر حصے الگ الگ کر بھی دیئے جائیں ۔ تو ان کی نگرانی بہت بڑی حد تک مرکزی اقتدار کے ماتحت ہونی چاہئے ۔ ورنہ کام نہ چلے گا ۔ اور ایک قسم کی ابتری پھیل جائے گی ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ کمیونزم آہستہ آہستہ اشتراکیت کی طرف جھک رہی ہے ۔ سرمایہ تو ہر حالت میں موجود رہے گا ۔ روپے کی صورت میں ہو ۔ یا مشینری اراضی عمارات اور اشیا کی شکل میں ہو ۔ صرف اس کی ملکیت بدلی جاسکتی ہے ۔ اشتراکیت میں سرمایہ کی مالک حکومت ہوتی ہے ۔ اور کمیونزم میں یہ حق ملکیت قوم کو پہنچتا ہے لیکن چونکہ اشتراکی حکومت کا نظام بھی قوم ہی کے نمایندوں پر مشتمل ہوتا ہے

اس لئے یہ فرق کوئی بہت بڑا فرق نہیں۔ اب چونکہ نگرانی کا آخری اختیار مرکزی مجلس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس لئے اسے تقسیم کار کے اصول کے ماتحت اپنے بہت سے فرائض مقامی کونسلوں اور صنعتی مجلسوں پر چھوڑ دینے پڑتے ہیں + اس اعتبار سے تضیع یا جعل و دغا کے معاملے میں کمیونزم کی صورت بھی اشتراکیت ہی کے ساتھ ملتی جلتی ہے + کمیونسٹ حکومت میں بہت سے فواید ہیں۔ ایسی حکومت عمدہ اشیا اور صحیح تجارتی معلومات پر کما حقہٗ زور دے سکتی ہے۔ بازار کی ضرورت کا صحیح اندازہ کر سکتی ہے۔ اور اشتراکی حکومت کے ماتحت مختلف صنعتوں کے درمیان جو تصادم ہوتا ہے۔ اس کا علاج بھی کمیونسٹ حکومت کے پاس موجود ہے۔ وہ تمام آدمیوں کو برابر یا تقریباً برابر نقد مزدوری ادا کرتی ہے۔ یا اگر جنس کی صورت میں ادا کرنی ہو۔ تو شہریوں کے مزاج اور ان کی جسمانی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر سب کے لئے مناسب اشیا مہیا کرنے کا انتظام کر سکتی ہے۔ مثلاً ہاتھ سے کام کرنے والے مزدور کو دماغی آدمی کی نسبت زیادہ وزنی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف دماغی کام کرنے والا آدمی ایک خاص درجے کا سکون و آرام چاہتا ہے۔ کمیونسٹ حکومت ہر شخص کی ضرورت کے مطابق اسے ہر چیز دے سکتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ سب لوگ اس قسم کی مساوات

قبول کر لینے کے لئے طیار نہ ہوں گے۔ لیکن ان کا یہ قول غلط ہے۔ آج پڑھے لکھے مہذب اور صاف ستھرے لوگ عام آدمیوں سے زیادہ تر محض اس وجہ سے نہیں ملتے کہ وہ بدتمیز۔ جاہل اور کثیف رہتے ہیں۔ لیکن اگر ساری قوم تعلیم یافتہ۔ شائستہ اور صفائی پسند ہو جائے۔ تو ہر شخص نہایت سادہ اور کم خرچ آسائشوں پر رضامند ہو سکتا ہے۔

لیکن روس میں کمیونزم کا جو تجربہ کیا گیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا ہے۔ کہ کمیونزم بہت بلند نصب العین ہے۔ اور اس کی کامیابی کے لئے قوم کے افراد میں جس بلند شخصی معیار کی ضرورت ہے وہ اب تک قطعاً حاصل نہیں ہوا۔ چونکہ کمیونزم میں ہر شخص کی حیثیت مساوی اور آمدنی برابر ہے۔ اور اس میں ترقی یا اضافے کی کوئی صورت نہیں۔ اور ہر شخص قومی فرض کا پورا پورا احساس بھی نہیں رکھتا۔ اس لئے بہت سے لوگ دل لگا کر کام نہیں کرتے۔ بات یہ ہے۔ کہ ذاتی منافع یا ترقی کی امید بہت بڑی چیز ہے۔ اور یہی چیز انسان کو بہتر کام کرنے۔ نئی نئی باتیں نکالنے اور بلند ہمتی اختیار کرنے کے لئے اکساتی ہے۔ جب کمیونزم کے ماتحت یہ چیز باقی نہ رہی۔ تو زراعت و صنعت کی پیداوار بھی کم ہونے لگی۔ اور جو مصیبت سرمایہ داروں کے اجارے سے پیدا ہوتی تھی۔ وہ کمیونزم

کے ماتحت بھی موجود رہی ::

اب کسان کی حالت پر غور کرو۔ وہ اپنی زمین کی پیداوار میں کسی کا دخل گوارا نہیں کرتا۔ اور اس کا سبب محض اس کا جذبۂ عصبیت ہے۔ ورنہ ظاہر ہے۔ کہ اقتصادی اعتبار سے اگر وہ اپنی تمام ذمہ داریاں حکومت پر ڈال دے۔ تو ہزاروں فکروں سے آزاد ہو جائے لیکن حالت یہ ہے۔ کہ روس کا عظیم الشان کمیونسٹ نظام بھی اس کے اس جذبے کو مغلوب نہیں کر سکا + عام سرمایہ دار اسے دھوکا دے کر لوٹ لیتے ہیں + اگر صنعت و حرفت کے متعلق تمام اختیارات چند آدمیوں کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اور مزدور اور مالک مل کر اس کی نگرانی کریں۔ جب بھی کسان مطمئن نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں اسے زیادہ دھوکا دیا جائے گا۔ اور وہ زیادہ لٹے گا + لیکن اگر سارے کسان مل کر مزروعہ زمین کا ایک اجارہ قائم کریں۔ تو دنیا بھر کو خرید سکتے ہیں + اشتراکی حکومت میں اگرچہ زمین کی اصلی مالک حکومت ہوتی ہے لیکن کسان جو غلّہ پیدا کرتا ہے۔ اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اس کے علاوہ جب مختلف صنعتوں کے اغراض آپس میں متصادم ہوتے ہیں۔ جب بھی اشیائے خوردنی پیدا کرنے والا یعنی کسان بہت فائدے میں رہتا ہے۔ اور اپنی پیداوار کی قیمت بے تکلف بڑھا سکتا ہے۔ لیکن ان تمام فوائد کے باوجود کسان

ذاتی ملکیت سے دست بردار ہونا منظور نہیں کرتا۔ اور اپنی عصبیت کو لئے بیٹھا رہتا ہے۔ کسان کمیونزم کا بھی مخالف ہے۔ حالانکہ کمیونزم کے ماتحت اس کے کھیتوں پر اس کا قبضہ بھی برقرار رہتا ہے۔ اسے زراعتی آلات اور دوسری ضروری چیزیں مفت دی جاتی ہیں۔ کافی خوراک اور پوشاک مہیا کی جاتی ہے۔ قحط کے زمانے میں بھی اس کی تمام تکلیفیں دور کر دی جاتی ہیں۔ اور کمیونسٹ حکومت اس سے صرف یہ چاہتی ہے۔ کہ اپنے کھیتوں کی پیداوار حکومت کے حوالے کر دے۔ لیکن اس کے باوجود بھی کسان رضامند نہیں ہوتا اور روس میں کمیونزم کی حکومت قائم ہونے کے بعد بہت سی زمین کاشت سے محروم ہو گئی ہے۔

چہارم:۔ "ٹریڈ یونین" کا نظام بھی سرمایہ داری کے نقائص کی اصلاح چاہتا ہے۔ یہ نظام یوں ہے۔ کہ ہر صنعت کے مزدور مثلاً بڑھئی۔ لوہار۔ کانیں کھودنے والے۔ انجن چلانے والے۔ انجنیر اور دوسرے پیشہ ور اپنی اپنی الگ الگ انجمنیں بنا لیتے ہیں۔ یہ انجمنیں بعض اوقات تو ایک ہی کارخانے یا کان کے مزدوروں تک محدود ہوتی ہیں۔ اور بعض اوقات مختلف کارخانوں اور کانوں کے ہم پیشہ مزدور متحدہ طور پر ایسی انجمنیں قائم کر لیتے ہیں۔ ایسی انجمنیں مزدوری کی اجرت اور محنت کی شرائط کے متعلق مالکوں سے گفت و شنید کرنے

اور امدادی مجالس کے ذریعے سے ہم پیشہ لوگوں کو مختلف قسم کی مدد بہم پہنچانے میں تو بہت ہی مفید کام کرتی ہیں۔ لیکن چونکہ ان انجمنوں کے ارکان مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ انجمنیں صنعتی کاروبار کے اہتمام کی ذمہ واری لینے سے عاری ہیں۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ اس قسم کی انجمنیں سوسائٹی کے امراض میں تخفیف تو کر دیتی ہیں لیکن ان کا علاج کرنے سے قاصر ہیں۔

پنجم۔ جب مزدوروں کی انجمن ہم پیشہ ارکان سے تجاوز کر کے پوری صنعت کا احاطہ کر لیتی ہے۔ یا پیشے کی بنیاد کو چھوڑ کر مقامی ہو جاتی ہے۔ تو اس میں زیادہ تشدد کی روح کارفرما ہو جاتی ہے۔ اور مزدور یہ چاہنے لگتے ہیں۔ کہ مالک کو اڑا دیں۔ اور کارخانہ بدستور جاری رکھیں۔ یہ روح دنیا کے تمام صنعتی مزدوروں میں پھیلی ہوئی ہے۔ "ایک ہی بڑی یونین" کے حامی اور "سنڈی کلسٹ" بھی اسی میں شریک ہیں۔ "سنڈی کلزم" کا آغاز فرانس سے ہوا تھا۔ اور آج کل یہ چیز انقلاب انگیز سمجھی جاتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ سیاسی طریق کار چونکہ عام طور پر غیر موثر ہوتا ہے۔ اس لئے مزدوروں کی ایک عام ہڑتال کرا کر سرمایہ داری کو مفلوج کر دیا جائے۔ اور جب سرمایہ دار بے بس ہو جائیں۔ تو مزدور تمام غیر منقولہ سرمائے (مشینری۔ زمین۔ عمارت) پر قبضہ کر کے مالک اور حصے دار کی مدد کے

بغیر خود ہی کارخانے چلانا اور مصنوعات پیدا کرنا شروع کردیں۔ اب
اس امر کے متعلق سینڈیکلسٹوں کے درمیان اختلاف ہے۔ کہ سیاسی
حکومت محفوظ رکھی جائے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ حکومت کا برقرار
رہنا مفید ہے۔ لیکن زیادہ گرم مزاج لوگ حکومت کو بالکل ہی اُڑا دینا
چاہتے ہیں۔ عام طور پر "سینڈیکلسٹ" زیادہ تر مالکوں کی موقوفی ہی
چاہتے ہیں۔ اور ابھی تک انہوں نے اس امر کا فیصلہ نہیں کیا۔ کہ وہ
آیندہ دنیا میں کس قسم کی سوسائٹی کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ
سیاسی حکومت کو محفوظ رکھ کر کمیونزم یا اشتراکیت اختیار کرلیں۔
تو ان کا مقصد پورا ہوجاتا ہے۔

ششم۔ سرمایہ داری کی اصلاح کے لئے ایک اور جماعت بھی
موجود ہے۔ اس کے ارکان "گلڈ سوشلسٹ" کہلاتے ہیں۔ ان کی
خواہش یہ ہے۔ کہ ہر صنعت کی نگرانی کے لئے ایک گلڈ یعنی جتھا
قائم کیا جائے۔ جس میں اس صنعت کے تمام ملازم۔ مزدور۔ کلارک۔
ماہرین اور کارخانوں کے مینجر شریک ہوں۔ یہ گلڈ ہمیشہ اپنی کانگرس
منعقد کیا کریں۔ اور صنعتی معاملات میں انہیں نہایت وسیع اختیارات
حاصل ہوں۔ سیاسی حکومت صرف انہی امور کا اہتمام کرے۔ جو
قومی اہمیت رکھتے ہوں۔ اور ان گلڈوں سے اسی صورت میں گفت
وشنید کرے۔ جب کسی صنعتی معاملے کا اثر عام لوگوں کے مفاد پر پڑتا

ہو + گلڈ سوشلسٹ اپنے نظام کو قائم کرنے کے انقلابی طریقے استعمال کرنا ضروری نہیں سمجھتے ٭

سنڈی کلزم اور گلڈ سوشلزم میں جعلی اور ناقص اشیا کی کام یابی کا کوئی موقع نہیں۔ کیونکہ یہ عیب تو بنج کی سرمایہ داری کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ جو جعل و دغا اور اشتہار کے ذریعے سے لوگوں کو فریب دیتی ہے + اس قسم کے مکر و فریب پوشیدہ طور پر ہی کئے جا سکتے ہیں۔ جب صنعتوں پر حکومت کا اقتدار ہو گا۔ قوم کے نمایندے ان کی نگرانی کریں گے۔ یا گلڈوں کی کانگرس ان کی دیکھ بھال کرے گی۔ تو اس قسم کی دغا بازیاں بہت جلد خواب و خیال ہو جائیں گی۔ چیزوں کا پیدا کرنے والا کبھی ناقص اشیا نہیں بنانا چاہتا وہ اس خیانت سے متنفر ہے۔ لیکن جب اس پر اور اس کے حریفوں پر جمہور کی نگرانی نہیں رہتی۔ اور کوئی اس کی بے ایمانیوں کا راز فاش کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ تو وہ اس قسم کی حرکتیں کرنے لگتا ہے ٭

پیداوار کی کمی زیادتی اور تضییع کے معاملے میں سنڈی کلزم اور گلڈ سوشلزم کی بھی وہی حالت ہے۔ جو اشتراکی یا کمیونسٹ حکومت کی ہے۔ کیونکہ قوم کے ذرائع و وسائل کی معلومات اور ماہرین تجارت کا بہترین مشورہ انہیں آسانی سے حاصل ہو سکے گا۔ ضرورت سے زیادہ مصنوعات دیدہ و دانستہ طیار نہ ہوں گی۔ بنج کا سرمایہ دار بعض

اوقات زیادہ نفع کمانے کے لئے ضرورت سے کم مصنوعات طیار کرتا
تھا۔ تاکہ اشیا کی قیمتیں بڑھ جائیں۔ لیکن جب نجی سرمایہ داری
ہی باقی نہ رہے گی۔ اور تمام صنعتوں پر قوم کی نگرانی ہوگی۔ تو اس کا
خطرہ بھی جاتا رہے گا۔ اور اگر کبھی کسی غلطی کی وجہ سے یا مانگ
کے کم و بیش ہونے کے باعث بے روزگاری کی مصیبت آجائے
گی۔ تو مزدور اپنی تنخواہ بدستور قوم کے خزانے سے حاصل کرتا
رہے گا۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ آیا سنڈی کلزم کے ماتحت مزدور عام طور
پر مطمئن رہیں گے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ گو مالک نہ رہیں
گے۔ لیکن سرمایہ تو ضرور قائم رکھنا ہوگا۔ اگر مزدور پوری ہمت اور
طاقت سے کام نہ لیں گے۔ تو عام افلاس پھیل جائے گا۔ اور اگر
زیادہ مزدوری حاصل کرنے کی غرض سے اُنھوں نے زیادہ محنت
شروع کردی۔ تو سب سے بڑی کانگرس یا کونسل میں اشتراکی اقتدار
حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کریں گے۔ سرمایہ حکومت کے قبضے
میں نہیں۔ بلکہ اشیا کے پیدا کرنے والوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہ
چاہیں گے۔ تو اسے بڑھائیں گے۔ ورنہ اسے تباہ کردیں گے۔
لیکن ابھی یہ دیکھنا ہے۔ کہ جب ایک ناگہانی انقلاب کے بعد
سنڈی کلسٹ حکمران ہوں گے۔ تو آیا وہ اس اعتدال۔ استقلال۔

محنت اور حق شناسی کا ثبوت دے سکیں گے۔ جو اقتصادی خوشحالی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مزدوروں کے رہنما مدت دراز سے صرف مخالفت اور نکتہ چینی ہی میں مصروف ہیں۔ اُنہیں چاہیئے۔ کہ معقول حکمت عملی کے جاری کرنے کا طریقہ سیکھیں۔ اور مخالفین کی غیر حق بجانب نکتہ چینی کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے آپ میں پیدا کریں۔ مزدور ہمیشہ ملکیت اور اقتدار کے خلاف جنگ کرتے رہے ہیں۔ ایسی حالت میں اُنہیں ضبط و نظم سیکھنے کی ضرورت ہوگی کیونکہ جب تک مزدوروں میں ضبط پیدا نہ ہوگا۔ وہ کسی حکومت اور کسی اقتدار کے ماتحت کبھی مطمئن نہیں رہ سکتے۔ خواہ وہ اقتدار اُن کا اپنا ہی ہو۔

اس بحث سے یہ ثابت ہوا۔ کہ موجودہ سرمایہ داری کے نقائص دور کرنے کی غرض سے جو چھ نظام دنیا کے مختلف حصوں میں تجویز کئے جا رہے ہیں۔ ان کے اصول تو نہایت مفید اور مبارک ہیں۔ لیکن ان کے عمل درآمد میں بعض عیوب موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ کامیاب نہیں ہوتے۔

تیسری فصل

نظام تعاون یا امداد باہمی

گذشتہ فصلوں میں ہم نے موجودہ سرمایہ داری کے تین نقائص بیان کئے ہیں۔ جنہیں ہم صاف اور مختصر الفاظ میں دوبارہ درج ذیل کرتے ہیں:۔

(الف) جو اشیا پیدا کی جاتی ہیں۔ ان کی مقدار ان کے استعمال کرنے والوں کی حقیقی ضرورت کے مطابق نہیں ہوتی۔ کبھی غلط اندازے کی وجہ سے زائد اشیا طیار ہو جاتی ہیں۔ اور منڈی میں ان کی افراط ہو جاتی ہے۔ اور کبھی غلطی سے یا کارخانہ داروں اور منافع پرستوں کی خود غرضی سے جو دنیا والوں کو تکلیف میں مبتلا کر کے اپنی جیبیں بھرنا چاہتے ہیں۔ ضرورت سے کم چیزیں طیار ہوتی ہیں۔ ہر حالت

ہیں خریدار کو زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور اشیا کے پیدا کرنے والے کو بھی ناکافی معاوضہ ملتا ہے۔ کیونکہ تمام اشیا درمیانی آدمیوں کے ہاتھ سے گزر کر اور انہیں حسب حیثیت نفع پہنچا کر اصلی خریدار تک پہنچتی ہیں۔

(ب) کبھی اشیا کا پیدا کرنے والا خود جعل ساز اور دغا باز بن جاتا ہے۔ اور کبھی دغا باز حریفوں کی حرکتوں سے مجبور ہو کر دیانت کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ چیزیں خراب طیار ہوتی ہیں۔ اور ان کے استعمال کرنے والے ان کی اصلی قدر و قیمت کا خیال کئے بغیر ارزاں ترین چیزیں خرید کر اس مصیبت کو اور بھی بڑھا دیتے ہیں۔

(ج) اشیا کے بنانے والے اور استعمال کرنے والے دونوں غیر مطمئن ہیں۔ بنانے والے اس لئے ناخوش ہیں۔ کہ وہ اپنے کام کے مالک نہیں ہیں۔ اور کافی معاوضہ بھی نہیں پاتے۔ اور استعمال کرنے والے اس لئے مضطرب ہیں۔ کہ انہیں جعلی چیزوں کی گراں قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

چونکہ یہ تینوں مصیبتیں صرف ان لوگوں کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ جو اپنے سرمائے کی مدد سے دن رات بے اندازہ نفع کمانے میں مصروف رہتے ہیں۔ اور دنیا والوں کی مصیبتوں کا کوئی خیال نہیں کرتے۔

اس لئے "نظام تعاون" کے حامی ان سنگدل لوگوں سے قطعاً بے نیاز ہو جانا چاہتے ہیں۔ رہے درمیانی آدمی جو اشیا کی تجارت اور دلالی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ان کے ہجوم کو کم کرنا بھی تعاون والوں کے مقصد میں داخل ہے۔ اگر زر پرست سرمایہ داروں اور بیکار نکھٹوؤں کو خارج کر دیا جائے۔ تو تمام انسانوں میں ۹۹ فی صدی چھوٹے آدمی ہیں۔ اور ۹۵ فی صدی ایسے غریب ہیں۔ کہ انہیں اپنے ذرائع آمدنی پر آیندہ چھ مہینے سے زیادہ کے لئے بھروسا نہیں ہے۔ جب سرمایہ داری کے تینوں نقائص دور کر دیئے گئے۔ تو ان سب آدمیوں کو فائدہ پہنچے گا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یہ سب لوگ تعاون کے طریق کار کو پسند کرتے ہیں۔

افراد کی ہر وہ جماعت جو متحدہ کوشش سے کسی مشترک مقصد کو حاصل کرنا چاہتی ہے۔ تعاون کے اصول پر کاربند ہے۔ کرکٹ یا فٹ بال کی ٹیم۔ ڈاکوؤں کا گروہ۔ سرمایہ دار کمپنی کے حصے دار سب تعاون پر عمل پیرا ہیں۔ لیکن ایک سو سال سے جو چیز تعاون یا کواپریشن کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ چند افراد جو ایک دوسرے کے حالات و خصائل سے بخوبی باخبر ہوں۔ دیانت دارانہ طریقوں سے کام لے کر کسی مشترک اقتصادی مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دوستانہ مجلسیں۔ ڈاکوؤں کے

گروہ اور سرمایہ دار کمپنیوں کے وہ حصے دار جو ایک دوسرے سے اجنبی ہیں۔ تعاون کے نظام میں شریک نہیں سمجھے جاتے۔ دوستانہ مجالس ہیں چونکہ اقتصادی مقاصد نہیں ہوتے۔ اس لئے اسے "تعاون" نہیں کہا جا سکتا۔ ڈاکوؤں کے گروہ میں دیانت مقصد کا نام و نشان نہیں۔ اس لئے اسے بھی "تعاون" سے کوئی واسطہ نہیں۔ سرمایہ دار کمپنیوں کے حصے داروں کا مقصد محض جلب منافع ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ ایک دوسرے کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں۔ لہذا وہ بھی "تعاون" کے تحت میں نہیں آ سکتے۔

تعاون کی مجالس کا نظام رضامندی اور مساوات پر مبنی ہے۔ رضامندی پر اس لئے کہ اس میں وہی لوگ شامل ہوتے ہیں جو اقتصادی ضرورت کو محسوس کر کے ابنائے نوع کے ساتھ متحد ہونا چاہتے ہیں۔ مساوات کی صورت یوں ہے کہ جو لوگ اس ضرورت کو محسوس کریں گے۔ وہ عام طور پر چھوٹے اور غریب آدمی ہوں گے۔ اور چونکہ دیانت نظام تعاون کا ضروری جزو ہے۔ اس لئے وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مساوات مدنظر رکھیں گے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کا نظام کاروباری دنیا میں کامیاب ہو گیا۔ تو پیداوار کی دانستہ بیشی یا تخفیف۔ جھوٹے اشتہارات اور مصنوعات میں جعل و دغا کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔ اور چونکہ سب مساوی ہونگے

اس لئے مزدوروں کا اطمینان بھی ہوجائے گا۔ مزدور گو اپنی اپنی مجلس تعاون کے لئے کام کریں گے۔ لیکن چونکہ تمامتر آمدنی اور منافع ان میں مساوی طور پر تقسیم ہوجائے گا۔ اس لئے انہیں کوئی شکایت پیدا نہ ہوگی۔

اقتصادی نظام کے دو بڑے بڑے حصے ہیں۔ اول۔ بہم رسانی اور کھپت۔ دوم۔ پیداوار اور فروخت۔ ان دونوں پر ذرا غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ دونوں ایک دوسرے میں شامل ہیں۔ بہم رسانی اس کو کہتے ہیں۔ کہ کسی جنس خام یا دوسری اشیا کو ایسے استعمال کے لئے خریدا جائے۔ جس میں فائدہ ہونے کی امید ہو۔ اور کھپت اشیا کی اس خریداری کو کہتے ہیں۔ جو گھر کے استعمال کے لئے کی جائے۔ پیداوار اس لئے کی جاتی ہے۔ کہ فروخت کی جائے۔ اگر پیدا کرنے والا اپنی پیداوار کو خود ہی استعمال کرے۔ تو اس کی حیثیت محض ایک خریدار کی ہے۔ مزدوروں کی جمعیت پیداوار مہیا کرنے میں مصروف ہوتی ہے۔ کیونکہ جو لوگ کسی سڑک کی مرمت کرتے ہیں۔ یا نہر کھودتے ہیں۔ وہ گویا ٹھیکے کے ذریعے سے ایک چیز پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔

کھپت اور بہم رسانی کا ایک خاص شعبہ نہایت ہی عجیب اور الگ حیثیت رکھتا ہے۔ قرض دینا گویا روپے کی بہم رسانی ہے۔ نظام

تعاون کے ماتحت لوگ متحدہ کوشش اور دیانتدارانہ طریقوں سے اپنی ضرورت کے مطابق روپیہ بھی حاصل کر سکتے ہیں لیکن ایک اعتبار سے روپے کی بہم رسانی دوسری اشیا کی بہم رسانی سے کسی قدر مختلف ہے۔ یعنی دوسری اشیا کی طرح روپے کی قیمت ادا نہیں کی جاتی۔ بلکہ ایک خاص زمانہ گزرنے کے بعد وہ روپیہ بجنسہٖ واپس کر دیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات اس پر ایک معمولی سی رقم کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ روپیہ اس کی کھپت کو مدنظر رکھ کر بہم پہنچایا جاتا ہے لیکن ادائیگی ملتوی کر دی جاتی ہے۔ حالانکہ نظام تعاون میں اشیا کی قیمت کی ادائیگی کسی حالت میں ملتوی نہیں کی جاتی۔ صرف روپے کی بہم رسانی ایسی چیز ہے۔ جس میں ادائیگی کا ملتوی کرنا ہی سب سے زیادہ ضروری چیز ہے۔

اس بہم رسانی اور کھپت کی سرگرمیوں میں چھوٹے چھوٹے غریب اور بے یار و مددگار لوگ بہت مصیبت اٹھاتے ہیں۔ انہیں نہ اتنی فرصت نصیب ہے۔ نہ اتنی قابلیت حاصل ہے۔ کہ بازار کی ضرورتوں کا اندازہ کریں اور دیکھیں۔ کہ کس وقت کیا چیز خریدنی چاہیئے۔ اور کس وقت کون سی چیز فروخت کرنی چاہیئے۔ وہ ایسی چیزیں پیدا کرتے ہیں۔ جن کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یا وہ ان خریداروں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے جنہیں ان چیزوں کی ضرورت

ہے۔ چنانچہ وہ غریب اپنی پیداوار اور اپنی مصنوعات کو درمیانی آدمیوں کے حوالے کردیتے ہیں۔ اور اپنی ضروریات بھی درمیانی آدمیوں ہی سے خریدتے ہیں۔ جن کی قیمت بھی درمیانی آدمی ہی تجویز کرتے ہیں غرض غریب و نادار آدمی کے لئے ہر طرح موت ہے۔ اور ان سب میں عاجز ترین آدمی وہ غریب کسان ہے۔ جو اپنی پیداوار کی منڈیوں اور اپنے اصلی خریداروں سے دُور رہتا ہے۔ اور زراعتی موسموں کی غیر یقینی حالت کی وجہ سے ہمیشہ ایسی چیزوں کا محتاج رہتا ہے۔ جن کی قیمت وہ ادا نہیں کرسکتا ۔

لیکن اس تمام اقتصادی چکر میں تعاون کا اصول ہر جگہ استعمال ہوسکتا ہے۔ اب ہم تمہیں مثال کے طور پر تعاون کی انجمنوں کا نظام سمجھائیں گے۔ اس قسم کی انجمنیں عام طور پر دو قسم کی ہوتی ہیں۔ اوّل۔ اشیا کے پیدا کرنے والوں کی انجمنیں۔ دوم۔ ان کے استعمال کرنے والوں کی انجمنیں ۔

مثال کے طور پر یوں فرض کرو۔ کہ دس آدمیوں کو اپنے گھروں میں استعمال کرنے کے لئے سرسوں کے تیل کی ضرورت ہے۔ اگر وہ الگ الگ بازار جاکر تیل خریدیں۔ تو انہیں یقیناً مہنگا ملے گا۔ کیونکہ ایک تو تھوڑی مقدار میں چیز خریدنے سے یوں بھی مہنگی ملتی ہے۔ دوسرے وہ تیلی سے براہ راست نہ خریدیں گے۔ بلکہ کسی دُکاندار

سے لیں گے۔ جسے خود بھی نفع کمانا ہے۔ اس لئے وہ دس آدمی اپنی
اپنی ضرورت کے مطابق تیل کی قیمت ایک جگہ جمع کر دیں گے۔ اور
جب وہ روپیہ جمع ہو کر ایک بڑی رقم بن جائے گا۔ تو وہ سیدھے
کے پاس پہنچیں گے۔ چونکہ سودا زیادہ قیمت کا ہوگا۔ اس لئے انہیں
تیل رعایت سے ملے گا۔ اس کے علاوہ وہ تیل کی کما حقہٗ چھان بین
بھی کر سکیں گے۔ اور غیر خالص تیل خریدنے پر مجبور نہ ہوں گے۔
اگر وہ موقع شناسی سے کام لیں۔ اور اُس وقت تیل خریدیں جب
سرسوں کی فصل طیار ہوئے ابھی چند ہی روز گزرے ہوں۔ تو
انہیں دوسرے موسموں سے مقابلتاً سستا تیل مل جائے گا۔
گویا صرف تھوڑی سی کوشش سے وہ لوگ ارزاں اور عمدہ تیل
حاصل کر سکیں گے۔ اس قسم کے لوگوں کی انجمنیں "استعمال کرنے
والی انجمنیں" کہلاتی ہیں۔

اگر وہ تیلی سرمایہ دار بھی ہو۔ جب بھی تعاونی خریداروں کو مندرجہ
بالا فوائد تو یقیناً حاصل ہو جائیں گے۔ لیکن اگر تیل کی پیداوار بھی
نظامِ تعاون ہی کے ماتحت ہو۔ تو اور بھی زیادہ فائدہ ہو سکتا
ہے۔ مثلاً دس اعلیٰ درجے کے تیلی مل کر تیل نکالنے کا کام کریں
متحدہ روپے سے سرسوں خریدیں۔ متحدہ روپے سے کولھو طیار
کرائیں۔ اور متحدہ محنت سے تیل نکالیں۔ پھر تیل کی فروخت سے

جو روپیہ حاصل ہو۔ اسے آپس میں تقسیم کر لیں۔ تو اس صورت میں انہیں تیل اور بھی زیادہ سستا پڑے گا۔ اور وہ خریداروں کو عام بازاری نرخ سے ارزاں تیل مہیا کر سکیں گے + ایسی انجمنیں اشیاء کے پیدا کرنے والوں کی انجمنیں" کہلاتی ہیں۔ اس کے بعد اگر بڑھئیوں کی ایک "انجمن تعاون" ہو۔ جو متحدہ روپے اور متحدہ محنت سے کولھو طیار کرے۔ پھر لُہاروں کی ایک "انجمن تعاون" ہو۔ جو آہنی اور فولادی اوزاروں کا ایک کارخانہ متحدہ محنت سے چلائے۔ غرض یہی سلسلہ بڑی بڑی عظیم الشان صنعتوں تک پہنچ جائے۔ تو اندازہ کر لو۔ کہ مزدوروں اور عام خریداروں کو اس سے کس قدر فائدہ پہنچے۔ اور موجودہ سرمایہ داری کی لعنتیں کس حد تک دور ہو جائیں +

یہ تو صرف صنعتی امور میں تعاون کی مثالیں تھیں۔ اس کے علاوہ زراعتی اقتصادی حالات کو بہتر بنانے کے لئے بھی یہی اصول قائم میں لایا جا سکتا ہے۔ مواشی کی نسل کشی اور ان کی حفاظت۔ دودھ۔ اور مکھن کی فروخت اور دوسرے بیسیوں کاروبار جو کسانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی اصول تعاون کے ماتحت منظم کئے جا سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی اور مفید چیز قرضے کی تعاونی انجمنیں ہیں۔ جو کسانوں کی مالی مشکلات کو رفع کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ اور جنہیں یہاں عرفِ عام میں زمیندارہ بنک کہتے ہیں + اس میں یہ انتظام کیا جاتا ہے

کہ غریب کسانوں کو اپنی زراعتی ضروریات کے لئے روپیہ آسانی سے قرض مل سکے۔ بہت کم سود ادا کرنا پڑے۔ اور قرضہ نہایت چھوٹی چھوٹی قسطوں میں اُتر جائے۔ چونکہ ہندوستان میں ابھی زیادہ تر اسی قسم کے تعاون کا رواج ہے۔ اس لئے ہم اس کتاب کی آیندہ فصلوں میں ان قرضے کی انجمنوں کا حال بہت تفصیل سے بیان کریں گے۔ اور تمہیں بتائیں گے کہ یہ انجمنیں ہمارے کسانوں کے لئے کتنی مفید ثابت ہو رہی ہیں۔

تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ تعاون کا اصول مختلف مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے مختلف طریقوں سے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ قرضے کی تعاونی انجمنوں سے ضرورت مندوں کو تھوڑے سود پر قرض مل سکتا ہے۔ اور ان پر نہایت نرم اور سہل شرائط عائد کی جاتی ہیں۔ خریداری کی تعاونی انجمنوں کی مدد سے درمیانی آدمیوں کی مداخلت سے بے نیاز ہو کر لوگ اپنی خانگی۔ زراعتی اور صنعتی ضروریات واجبی قیمت پر خرید سکتے ہیں۔ اور جعل و دغا سے بھی بچ سکتے ہیں۔ فروخت کی تعاونی انجمنوں سے لوگ اپنی پیداوار اور اپنی مصنوعات کی بہتر قیمت حاصل کر سکتے ہیں۔ بیش قیمت اوزاروں اور مشینوں کی تعاونی ملکیت کا یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ ان آلات کو خود نہیں خرید سکتے۔ وہ تھوڑی سی فیس دے کر ان کو استعمال کر سکتے ہیں۔ تعاونی

کارخانوں کے ذریعے سے لوگ کارخانہ داروں کی وساطت سے بے نیاز ہوکر اپنی مصنوعات خود بازار کے لئے طیار کر سکتے ہیں۔ اور اپنی خانگی ضروریات کی چیزیں بھی بنا سکتے ہیں + یہ تعاون کی بڑی بڑی قسموں کا حال ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کی بے شمار شاخیں ہیں۔ اور خدا جانے آیندہ لوگ زندگی کے کس کس شعبے میں اس اصول کو استعمال کر کے فائدہ اُٹھانے والے ہیں +

بعض بے خبر اور جاہل لوگ یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ تعاون کی صنعتی اور تجارتی انجمنیں بھی ایک قسم کی کمپنیاں ہیں۔ جو مشترک راس المال سے چلائی جا رہی ہیں۔ لیکن یہ کہنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ کیونکہ مشترک راس المال کی کمپنیاں اور اسی قسم کے دوسرے سرمایہ دارانہ کاروبار درحقیقت سرمائے کے اتحاد پر مبنی ہیں۔ اور تعاونی انجمنوں کی بنیاد انسانوں کے اتحاد پر ہے + تعاونی انجمن کے ارکان خود ہی حصے دار اور خود ہی مزدور ہوتے ہیں۔ وہ سرمایہ لگاتے ہیں۔ اور اس پر ایک مقررہ سُود ادا کرتے ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا کمپنیوں کے حصے دار اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتے۔ صرف اپنا سرمایہ لگاتے ہیں۔ اور مقررہ اجرتوں پر مزدوروں کو نوکر رکھ لیتے ہیں + پیداوار کی تعاونی انجمن میں سرمائے کا سُود ادا کر چکنے کے بعد تمام منافع مزدور ممبروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن کمپنیوں میں مزدوروں کی معمولی اجرت ادا کر

چکنے کے بعد سارا نفع سرمایہ داروں کی ہمیانیوں میں پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح نظام تعاون میں کام کرنے والے مزدور اپنا سرمایہ لگاتے ہیں۔ اور کاروبار کے خطرات میں پڑتے ہیں۔ لیکن کمپنیوں میں سرمایہ دار مزدوروں سے کام لیتے ہیں۔ اور خطرات کے ذمہ دار بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ کمپنیوں کا قاعدہ یہ ہے۔ کہ حصے دار جتنا سرمایہ لگاتے ہیں۔ اس کے تناسب سے انہیں نفع ملتا ہے۔ اور جس شخص کے حصے سب سے زیادہ ہوں۔ یا جس پارٹی کے حصے دوسری پارٹیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوں۔ اسی شخص یا جماعت کو کمپنی کے انتظام و اہتمام میں اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ لیکن تعاون کے نظام میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں سرمائے کی اہمیت صرف اتنی ہے۔ کہ وہ پیداوار کا ایک ذریعہ ہے اور بس۔ کوئی ممبر کتنا ہی سرمایہ لگا دے۔ لیکن اسے کوئی ترجیحی حق حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ نظام تعاون میں ہر شخص صرف ایک ووٹ رکھتا ہے۔ اور سب ارکان کی حیثیت ہر حالت میں برابر سمجھی جاتی ہے۔

مشترک راس المال کی کمپنیوں میں یہ قاعدہ ہے۔ کہ جو شخص دس حصوں کا مالک ہو۔ وہ ایک حصے کے خریدار سے دس گنا زیادہ اقتدار رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سارا اقتدار سرمایہ داروں کے قبضے میں رہتا ہے۔ لیکن تعاونی انجمنوں میں ایک آدمی کے لئے ایک ووٹ سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ یہاں غریب امیر سب برابر ہیں۔ کمپنی کا

واحد مقصد صرف نفع کمانا ہے۔ اور وہ نفع حصوں کے تناسب سے تقسیم کیا جاتا ہے لیکن تعاونی انجمن کا مقصد محض نفع کمانا نہیں۔ بلکہ بہتر سے بہتر طریق پر اپنے ارکان کی خدمت کرنا اور ایمان داری کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ؛؛

جس قسم کی تعاونی انجمن کے نظام پر چاہو۔ غور کر لو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس میں رقابت اور مسابقت کا کہیں نام و نشان تک نہیں اور اخوت اور اشتراک عمل کی رُوح جاری وساری ہے تعاون کا یہ روحانی اور اخلاقی پہلو اسے تمام دوسرے نظاموں سے ممتاز کر رہا ہے اس کی بنیاد محبت اور ایثار پر ہے۔ اور جب تک تعاونی انجمن کے ارکان ایک دوسرے کے حالات سے واقف اور ایک دوسرے کے ہمدرد نہ ہوں۔ اس وقت تک وہ انجمن تعاونی انجمن کہلانے کی حق دار نہیں ہو سکتی ؛؛

بعض اوقات چند افراد مل کر ایک انجمن تعاون بنا لیتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ دوسروں کی خدمات یا محنت سے فائدہ اُٹھائیں۔ اس قسم کی انجمن کا قیام جائز تو ہے۔ لیکن اس میں تعاون کی پوری خوبیاں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً کبھی چند افراد مل کر کسی بیرونی ملک سے بہت سے مزدور لے آتے ہیں۔ یا چند کسان متحدہ طور پر اپنے مل کسی ایسے کارخانے میں طیار کراتے ہیں۔ جہاں مزدوروں کو محض

مزدوری ملتی ہے۔ یا بعض لوگ مل کر کپڑا بننے کا ایک کارخانہ قائم کرتے ہیں۔ اور اس میں مزدوروں سے کپڑا بنواتے ہیں۔ اگر اس قسم کی انجمنیں اپنا کام مزدوری پر نہیں۔ بلکہ ٹھیکے پر کرائیں۔ تو پھر ان کا یہ عمل کسی طرح بھی اصول تعاون کے خلاف نہ ہوگا۔ کیونکہ پھر مزدوروں کی کوئی تعاونی انجمن ان کے کام کا ٹھیکہ لے سکے گی۔ لیکن اگر اس قسم کی انجمنیں ٹھیکہ دینے کے بجائے مزدوروں کو ملازم رکھیں گی۔ تو اس میں شک نہیں۔ کہ وہ تضییع اور دغا سے تو محفوظ رہیں گی۔ لیکن مزدوروں کے اضطراب سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکیں گی۔ اور موجودہ سرمایہ داری کی سب سے بڑی لعنت ان کی شریک حال رہے گی۔

نظام تعاون کے ماتحت بہم رسانی اور کھپت کے اصول یہ ہیں۔ کہ جہاں تک ممکن ہو۔ تعاونی انجمن صرف اپنے ممبروں ہی کو چیزیں مہیا کرے۔ کیونکہ وہ انجمن انہی لوگوں کی ہے جنہوں نے اشیا کی ضرورت کو محسوس کر کے ایک دوسرے سے تعاون کرنا ضروری سمجھا ہے تمام ممبر ووٹ اور دوسرے فوائد کے اعتبار سے بالکل مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو۔ تعاونی انجمنوں کو قرض پر چیزیں خریدنے اور مہیا کرنے سے پرہیز چاہئے۔ کیونکہ قرض کی وجہ سے قیمتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ ممبروں کو ارزاں چیزیں چاہئیں۔ اس کے علاوہ قرض سے افراد کی ایمان داری میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اور اس کی ادائگی

میں ٹال مٹول شروع ہو جاتی ہے۔ تعاونی انجمنوں کے لئے ضروری
ہے۔ کہ دیانت کو ہر وقت مد نظر رکھیں۔ کیونکہ دیانت تعاون کی جان
ہے۔ تعاونی انجمنوں کے ارکان کو اپنے حصوں پر منافع کا بہت
زیادہ جنون نہ چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ زیادہ منافع کے درپے ہوئے۔
تو اشیا کی قیمتیں بڑھانی پڑیں گی۔ اور تعاون کا کوئی فائدہ نہ رہے گا
یہی وجہ ہے۔ کہ ہمسائی اور کھپت کی تعاونی انجمنیں کسی ممبر کے
حصوں کا کچھ لحاظ نہیں کرتیں۔ اور ایک ممبر کو صرف ایک ہی
ووٹ کا حق دیتی ہیں۔ خواہ اس نے ایک سو حصے خرید رکھے ہوں۔
اس قسم کی انجمنوں کا حصہ بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔ اور قسطوں سے
وصول کیا جاتا ہے۔ اگر منافع تقسیم کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔
تو ہر ممبر نے جتنی اشیا خریدی ہیں۔ ان کے حساب سے اس کو بونس
دے دیا جائیگا۔ ہر ممبر کو اس کے حصوں پر واجبی سُود ملے گا۔
اگر غیر ممبروں کے ہاتھ بھی اشیا فروخت کی جاتی ہیں۔ تو اس فروخت
سے جو نفع حاصل ہوگا۔ وہ ممبروں میں تقسیم نہ کیا جائیگا۔ بلکہ ایک
مشترک محفوظ سرمائے میں ڈال دیا جائیگا۔ اس کے علاوہ قرضے
پر اشیا کی فروخت ممنوع ہوگی۔ اگر ممبروں کو بازار کی نسبت چیزیں
سستی دی جائیں گی۔ تو ان میں کوئی نفع تقسیم نہ کیا جائیگا لیکن
اگر وہ اپنی انجمن سے بازار کے نرخ کے حساب سے چیزیں خریدنے پر

رضامند ہوجائیں گے۔ تو ان کی خریداری کی مقدار کے تناسب سے ہر سال ایک خاص بونس ان میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس قسم کی انجمنوں میں دو طریقے رائج ہیں۔ بعض انجمنیں تو اشیا کا ذخیرہ ہر وقت اپنی دکان میں مہیا رکھتی ہیں۔ تاکہ جب ممبر چاہئیں۔ آکر خرید لیں۔ اور بعض صرف اسی وقت اشیا خریدتی ہیں۔ جب ممبر خریداری پر آمادہ ہوں۔ پہلے طریقے میں سہولت زیادہ ہے۔ لیکن دکان کا کرایہ اور نگرانی کا خرچ چیزوں کی قیمت بڑھا دیتا ہے۔ اور دوسرے طریقے میں کفایت اور بے فکری ہے۔ مختلف انجمنیں جس طریقے کو مناسب سمجھتی ہیں۔ اختیار کر لیتی ہیں۔

بیکار نکھٹوؤں کے سوا ہر شخص کی دو حیثیتیں ہیں۔ پیدا کرنا اور استعمال کرنا۔ کسان غلّہ پیدا کرتا ہے۔ صنّاع مصنوعات پیدا کرتا ہے۔ مزدور اپنی ہمت اور جفاکشی سے کام پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح تمام لوگ کچھ نہ کچھ پیدا کرتے ہیں۔ اور اپنی ضروریات زندگی کے لئے اکثر ایک دوسرے کے محتاج رہتے ہیں۔ اشیا کا استعمال سب میں مشترک ہے۔ اشیا کے پیدا کرنے کے لئے ایک غریب آدمی پیداوار یا محنت کی ایک تعاونی انجمن کا ممبر بن جاتا ہے۔ اور اپنے ساتھیوں سے مل کر کام کرتا ہے۔ سب ممبر تھوڑی تھوڑی رقم دے کر ایک سرمایہ جمع کر لیتے ہیں۔ اور اس کے بعد ایک چھوٹا سا کارخانہ قائم کر

لیتے ہیں جن میں سب مل کر کام کرتے ہیں۔ یا متحدہ طور پر کسی کام کا
ٹھیکہ لے لیتے ہیں۔ اس قسم کی انجمنیں اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ
ہی اشیا کی بہم رسانی بھی کرتی ہیں۔ یا اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو فروخت
کرتی ہیں۔ ممکن ہے۔ تو دونوں کام بیک وقت بھی کر لیتی ہیں۔ ورنہ
ایک ہی کام پر اکتفا کرتی ہیں۔ مثلاً یہ ہو سکتا ہے۔ کہ جُلاہے سوت
خریدنے کے وقت متحد ہو کر خریدیں۔ لیکن اس کے بعد اپنا اپنا
کپڑا الگ الگ بُن کر فروخت کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ وہ مشترک
سرمائے سے کھڈیاں لگائیں۔ اور اُن پر اکٹھے کپڑا بُنتے رہیں۔ پھر یہ
بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کپڑا الگ الگ بُنا جائے۔ اور اس کی فروخت
ایک ہی مشترک دُکان پر ہو۔ پھر ان مقاصد کو ایک دوسرے کے
ساتھ ملایا بھی جا سکتا ہے۔ مزدوروں کی ایک انجمن کسی کی فرمائش
پر ایک مکان بنا سکتی ہے۔ جس میں مالک کا بہم پہنچایا ہوا مصالحہ
صرف کیا جائے۔ لیکن یہی انجمن اپنے پاس سے مصالحہ لگا کر اور
ایک مکان بنا کر اسے فروخت بھی کر سکتی ہے۔ اس قسم کی انجمنوں
کا طریق کار یہ ہے۔ کہ ایک تو "تھوک فروشی" کا اصول مدنظر رکھا
جائے۔ دوسرے ایک ماہر مقرر کیا جائے۔ جو ان کی پیداوار یا صنعت
کے طریقوں کا نگراں ہو۔ اور مصنوعات کی جانچ پڑتال بھی کرے۔
تیسرے فنِ اشیا فروشی کے ایک ماہر کی خدمات حاصل کی جائیں۔

جو بازار کے اُتار چڑھاؤ سے باخبر ہو۔ ان طریقوں سے یہ تعاونی انجمنیں تضیع اور جعل و دغا سے بھی محفوظ رہتی ہیں۔ اور اصول تعاون پر کاربند ہونے کی وجہ سے ان کے کارکنوں میں بھی کوئی بے چینی یا ناراضی پیدا نہیں ہوتی۔

اصول تعاون کے ماتحت اشیا کی پیدا کرنے والی انجمنوں اور استعمال کرنے والی انجمنوں کے اندرونی انتظام میں کوئی بڑا فرق نہیں ہوتا۔ اول الذکر میں خریدنے والے ممبر کی جگہ بیچنے والا ممبر ہوتا ہے اگر اس انجمن میں نفع تقسیم کیا جاتا ہو۔ تو وہ ان اشیا کی مقدار کے اعتبار سے کیا جائے گا۔ جو ہر ممبر نے فروخت کی ہوں گی۔ قرض کا تو کوئی موقع ہی نہیں۔ البتہ جو اشیا طیار ہو چکیں۔ ان پر کچھ تھوڑی سی رقم ممبروں کو دے دی جاتی ہے۔ حقوق اور فرائض دونوں انجمنوں میں یکساں ہیں۔ البتہ ایک بات میں دونوں قسم کی انجمنیں کسی قدر مختلف ہیں۔ بہم رسانی یا استعمال کی انجمن کے ممبر اگر کسی کو قرضہ نہ دیں اور حصوں پر سود کی شرح بھی محدود کر دیں۔ اور ایسی حالت میں سوء اتفاق سے کوئی بدمعاش اور بدعہد شخص بھی ان کی انجمن میں شامل ہو جائے۔ تو اس کی بدمعاشی انجمن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ افتراق۔ خودغرضی اور فریب کا احتمال ضرور ہے۔ لیکن بہت بعید ہے۔ البتہ اگر پیداوار کی کسی انجمن میں کوئی خائن اور بدعہد ممبر داخل

ہو جائے گا۔ تو وہ ضرور گڑبڑ کا باعث ہوگا۔ مثلاً وہ قابل اطمینان طریقے پہ کام نہ کرے گا۔ وقت کا پابند نہ ہوگا۔ انجمن کے اصول و قواعد پر نہ چلے گا۔ اور اس طرح انجمن کے کام کو سخت نقصان پہنچے گا یہی وجہ ہے۔ کہ تعاون کی انجمنوں کے نظام میں اس بات پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ کہ ہر ممبر کو دوسرے ممبروں کی دیانت اور فرض شناسی کا یقین ہونا چاہیئے۔ نظام تعاون شریف اور دیانت دار لوگوں کا نظام ہے۔ بدمعاشوں کے لئے اس میں کوئی گنجائش نہیں ؞

رہا قرضے کی تعاونی انجمنوں کا مسئلہ۔ اس کے متعلق آئندہ باب میں مفصل بحث کی جائے گی ؞

دوسرا باب

قرضے کی تعاونی انجمنیں

پہلی فصل

کسانوں کی مصیبتیں اور ان کا علاج

شہروں اور قصبوں کے رہنے والوں کو کیا معلوم۔ کہ دیہات میں جو سیدھے سادے کسان چوٹی سے ایڑی تک پسینہ بہا کر ساری دنیا کے لئے کھانے پینے کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ وہ اپنی سادگی۔ اپنی

عصبیت اور اپنی ناداری کی وجہ سے کیسی کیسی مصیبتوں کا شکار ہو رہے ہیں + اس میں شک نہیں - کہ جب کسان کی محنت سے فصل تیار ہو جاتی ہے - تو وہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے پیٹ کے دھندے سے ایک حد تک بے فکر ہو جاتا ہے - لیکن ہر کسان کے پاس اتنی زمین نہیں ہوتی - کہ اس کی پیداوار اس کی دوسری ضرورتوں کے لئے بھی کافی ہو جائے + اس کے علاوہ مواشی کی بیماری اور موت - بے موقع بارش - خشک سالی - ٹڈی دل - اولے - بیماری غرض بے شمار آسمانی اور زمینی بلائیں اس کی فصل کو تباہ کرنے کے درپے رہتی ہیں + اگر اس کی ایک فصل بھی تباہ ہو جائے - تو پھر وہ عمر بھر پنپ نہیں سکتا - کیونکہ کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ غیر محدود مدت تک وہ اپنی تمام ضروریات کے لئے قرضہ لینے پر مجبور ہو جاتا ہے + دیہات میں جو لوگ روپے کا لین دین کرتے ہیں - ان سے اوّل تو قرض پر روپیہ ملتا بڑی مشکل سے ہے - اور ملتا ہے - تو سود عام طور پر بیس پچیس سے چالیس فی صدی سالانہ تک ہوتا ہے + اس پر سود در سود کی پیچیدگیاں - اور بعض اوقات ساہوکار کی چالیں تھوڑے سے قرض کو قلیل مدت ہی میں دُگنا تگنا کر دیتی ہیں + اس کے بعد اگر فصل کامیاب ہو گئی - تو ساتھ ہی قرض خواہ کا تقاضا بھی شروع ہو گیا + اب روپے کا بندوبست نہ ہو سکا - تو ناچار فصل اس کی نذر کرنی پڑ گئی - بس

نتیجہ آخر کار یہ ہوتا ہے۔ کہ غریب کسان اپنی زمین کو بے کاشت
چھوڑ کر شہروں اور قصبوں میں مارا مارا پھرتا ہے۔ کہیں نوکری
ڈھونڈتا ہے۔ کہیں مزدوری کرتا ہے۔ کبھی کسی کا خدمت گار بن
جاتا ہے۔ اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر قرضے کی قسطیں
ادا کرتا ہے+ اس کی ساری عمر اسی چکر میں تمام ہو جاتی ہے۔ اور اس
کے مرنے کے بعد اس کے بال بچے دربدر دھکے کھاتے پھرتے ہیں+
یہ خیالی باتیں نہیں۔ شہروں اور قصبوں میں جو لوگ اس قسم کی ادنے
مزدوریوں میں مصروف ہیں۔ ان سے دریافت کر کے دیکھو۔ تو
تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ ان میں زیادہ تعداد ایسے ہی تباہ حال
کسانوں کی ہے۔ جو قرض کے جنجال میں پھنس کر ایسے برباد ہوئے۔ کہ
پھر تمام عمر روتے ہی گزر گئی +

اس کے علاوہ کسان کو بچے کی پیدائش۔ شادی اور موت کی رسموں
میں اپنی جہالت کی وجہ سے بہت سا روپیہ برباد کرنے کی عادت ہے
تاکہ ہم چشموں میں عزت بنی رہے۔ اور ناک نہ کٹنے پائے+ ایسی تقریبوں
کے لئے بھی وہ روپیہ قرض لیتا ہے۔ اور اُس قرض کے نتیجے بھی
وہی ہوتے ہیں۔ جو اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ غرض کسان کی
مصیبتوں کا سلسلہ لا انتہا ہی ہے۔ اور ان مصیبتوں کا نتیجہ یہ ہوتا
ہے۔ کہ ساہوکاروں کو اپنا روپیہ اور منافع تو کسی نہ کسی صورت میں مل جاتا ہے

لیکن بے شمار آزاد و خوشحال زمیندار برباد ہو جاتے ہیں۔ اور بہت
سی زرخیز زمین بے کاشت پڑی رہ جاتی جس سے سارے صوبے
کی خوشحالی پر مہلک اثر پڑتا ہے ۔

قرض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مفید۔ دوسرا غیر مفید۔ جو کسان
اپنے ہل اور سہاگے اور دوسرے آلات زراعت طیار کرنے۔ کنواں
کھودنے۔ بیل خریدنے اور بیج حاصل کرنے کے لئے قرض لیتا ہے
وہ روپیہ لے کر ایسے کاموں میں لگاتا ہے جن میں نفع کی امید ہے۔
لیکن جو شادی و غمی کی رسوم پر بے دریغ روپیہ لٹانے یا عیش و عشرت
کرنے کے لئے قرض لیتا ہے۔ اسے اس قرض سے کوئی فائدہ حاصل
نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ روز بروز نقصان اور ہلاکت کی دلدل میں پھنستا
چلا جاتا ہے۔ ساہوکار کو اس سے کچھ مطلب نہیں۔ کہ کسان کس مقصد
کے لئے قرضہ لے رہا ہے۔ اسے تو محض اپنا جائز و ناجائز فائدہ مد نظر
ہے۔ مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں۔ اسے اپنے حلوے مانڈے
سے کام ہے ۔

یہ حالت صرف ہندوستان ہی کے کسانوں تک محدود نہیں بلکہ
دنیا بھر میں کاشتکار طبقے کا یہی حال ہے۔ ہم نے پہلی فصلوں میں
موجودہ سرمایہ داری کے تین نقائص بیان کئے تھے۔ تضییع عمل اور
مزدوروں کی بے اطمینانی۔ یہ تینوں نقائص قرض کے معاملے میں

سود خواری۔ فضول خرچی اور کسانوں کی مایوسی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان لعنتوں کے مداوا کے لئے کوئی ایسی تدبیر ہونی چاہئے۔ جس سے (اول) ہر کسان کو ضرورت کے وقت آسانی سے قرض مل سکے۔ (دوم) اس قرض پہ ساہوکاروں کے مقابلے میں بہت کم سود لیا جائے۔ (سوم) غیر مفید مقاصد کے لئے ہرگز قرض نہ دیا جائے (چہارم) اس قرض کی ادائیگی کے لئے آسان قسطیں تجویز کی جائیں تاکہ کسان بہت جلد اس سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔

آج سے کوئی ستر سال پیشتر جرمنی کے ایک دردمند انسان رائفی سن کو قرضے کی تعاونی انجمنیں یعنی زمیندارہ بنک قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے ایک گاؤں میں اس قسم کا بنک قائم کر کے تجربہ کیا۔ تو یہ تدبیر کسانوں کے لئے ایک بڑی رحمت ثابت ہوئی۔ اور بہت جلد سارے ملک میں اسی قسم کی انجمنیں قائم ہو گئیں

رائفی سن کے نظام میں جو ضروری چیزیں تھیں۔ ان کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ پرسنل کریڈٹ یعنی شخصی ساکھ کیا چیز ہے۔ کیونکہ تعاونی انجمنوں کا مدار صرف اسی چیز پہ ہے ساکھ مختصر الفاظ میں اس حیثیت کا نام ہے۔ جس کی بنا پہ کوئی شخص قرضہ حاصل کر سکتا ہے۔ اور آج کل کی زبان میں اسے "ضمانت" یا "کفالت" کہتے ہیں۔ یہ تین قسم کی ہے۔ اول۔ جائداد غیر منقولہ کی ضمانت۔

یعنی قرض لینے والا اپنی زمین۔ اپنا مکان یا اپنی دکانیں رہن رکھ کر قرض لیتا ہے۔ اس سے قرض دینے والے کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ کہ قرضہ واپس مل جائے گا۔ اور اگر مقروض ادا نہ کر سکے گا۔ تو اس کی جائداد فروخت کر کے وصول کر لیا جائے گا۔ دوم۔ جائداد منقولہ کی ضمانت۔ اس میں زیورات گھر کا سامان۔ آلات زراعت۔ اور دوسری منقولہ چیزیں شامل ہیں۔ سوم شخصی ضمانت۔ اس میں قرضے کے لئے کسی قسم کی جائداد کفیل نہیں ہوتی۔ بلکہ قرض دینے والا مقروض کی حیثیت۔ عزت کفایت شعاری۔ محنت اور دیانت پر بھروسہ کر کے قرض دے دیتا ہے۔ اور اس کی وصولی کی طرف سے مطمئن رہتا ہے۔

سب سے محفوظ ضمانت تو جائداد غیر منقولہ کی ہے۔ کیونکہ وہ جائداد ہر حالت میں قائم ہے۔ کوئی اسے غائب نہیں کر سکتا۔ اور چور اور ڈاکو بھی اُسے چرا نہیں سکتے۔ دوسرا درجہ جائداد منقولہ کا ہے۔ لیکن سب سے مشکل اور غیر یقینی ضمانت شخصی ہے۔ کیونکہ ایک انسان دوسرے انسان کے متعلق یقینی طور پر یہ حکم نہیں لگا سکتا۔ کہ وہ ہر حالت میں دیانت دار رہے گا۔ کیونکہ انسان کی نیت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اس کے علاوہ ساہوکار لوگ عام طور پر جائداد ہی کی کفالت پر قرض دیتے ہیں۔ ایمان داروں کی ایمان داری پر نہیں

کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ اس لئے کوئی ایسی تدبیر ضروری ہے جس کے ماتحت مقروض کے ہم چشم اس کی حیثیت۔ عزت۔ کفایت شعاری۔ محنت اور دیانت پر ہر وقت نگاہ رکھیں۔ اور اپنے مجموعی اخلاقی اثر سے قرضے کی بازیافت کا بندوبست کریں۔ چنانچہ رائفی سن نے تجویز کی۔ کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے کسان مل کر ایک انجمن قائم کریں۔ تاکہ ان کی تھوڑی تھوڑی حیثیت ایک دوسرے سے مل کر ایک متحدہ بڑی حیثیت اختیار کرے۔ اور پھر وہ لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے حصوں سے۔ لوگوں کی امانتوں سے۔ تھوڑے سود پر قرض لینے سے ایک خاص سرمایہ جمع کریں۔ جس میں سے اپنی انجمن کے ممبروں کو بوقت ضرورت قرض دیا کریں۔

رائفی سن نے اس قسم کی انجمنوں کے ضروری اصول مندرجہ ذیل تجویز کئے:-

(الف) ان انجمنوں کی بنیاد ممبروں کی ذاتی دیانت اور ایک دوسرے کی مشترک واقفیت پر ہوگی۔

(ب) یہ انجمنیں صرف اپنے ممبروں کو قرض دیں گی۔ جو لوگ ممبر نہ ہوں۔ وہ اپنا روپیہ ان انجمنوں کے پاس بطور امانت رکھ سکتے ہیں جس پر انہیں سود دیا جائے گا۔

(ج) قرضہ صرف مفید مقاصد کے لئے دیا جا سکے گا۔ کھانے اڑانے

اور شادی وغم کی رسوم پر صرف کرنے کے لئے کوئی کسان ان انجمنوں سے ایک حبہ بھی حاصل نہ کر سکے گا ٭

(د) قرض کی ادائیگی خواہ ایک دم ہو۔ خواہ قسطوں کے ذریعے سے ہو۔ لیکن اس میں پابندیٔ وقت نہایت ضروری ہے۔ کوئی ممبر بلا وجہ قسط کی ادائیگی سے غفلت کرنے کا حق دار نہ ہوگا ٭

(ہ) اس قسم کی انجمن کا رقبۂ اثر محدود ہونا چاہئیے۔ عام طور پر ایک گاؤں میں ایک انجمن ہو۔ یا زیادہ سے زیادہ دو تین گاؤں شامل کر لئے جائیں۔ جو ایک دوسرے سے بہت قریب واقع ہوں + اس اصول کا فائدہ یہ ہے۔ کہ ایک تو ممبر ایک دوسرے کے حالات و خصائل سے واقف ہوں گے۔ دوسرے ان ممبروں کی نگرانی آسانی سے ہو سکے گی۔ کہ وہ قرضے کا روپیہ کس کام میں اور کیونکر استعمال کر رہے ہیں۔ قسطوں کی وصولی میں بھی آسانی ہوگی۔ اور انجمن کے ممبر وقتاً فوقتاً آسانی سے ایک جگہ جمع بھی ہو سکیں گے۔ زیادہ وسیع رقبے میں یہ سہولتیں نہیں ہو سکتیں ٭

(و) انجمن کے تمام قرضوں اور امانتوں کے لئے سارے ممبروں کی ذمہ داری غیر محدود ہوگی۔ یعنی انجمن دوسرے ذرائع سے جو قرضہ حاصل کرے گی۔ یا لوگ اس میں اپنی جور قوم بطور امانت رکھا کریں گے۔ ان کی حفاظت کے لئے ہر ممبر کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ مکفول ہوگی۔

یعنی اگر اُن رقوم کا کوئی نقصان ہو جائے۔ تو انجمن کو قرضہ دینے والی جماعت یا امانتیں رکھنے والے لوگ سب ممبروں کی جائداد سے اپنی رقمیں وصول کر سکیں گے۔ اس سے یہ فائدہ ہے۔ کہ ہر ممبر اپنی اپنی ذمہ داری کو بہت شدت سے محسوس کرتا ہے۔ اور انجمن کے تمام کاروبار کی سخت نگرانی کرتا ہے۔

(ذ) اس قسم کی انجمن اپنا سرمایہ چار ذریعوں سے حاصل کرے گی۔ اول۔ انجمن کے ممبر یا وہ لوگ جو ممبر نہ ہوں۔ اپنا فالتو روپیہ اس انجمن کے بنک میں اس غرض سے جمع کرائیں گے۔ کہ ایک تو کسانوں کو فائدہ پہنچے۔ دوسرے وہ خود اپنے پس انداز روپے پر سود حاصل کر سکیں۔ دوم۔ یہ انجمن صوبے یا ملک کے تعاونی بنک سے یا کسی اَور بنک سے یا کسی ایک شخص سے معمولی سود پر روپیہ قرض لے گی۔ سوم۔ اگر ممکن ہو۔ تو انجمن کے تمام ممبر تھوڑی تھوڑی رقم بطور حصہ اس انجمن کے بنک میں دیں گے لیکن کوئی شخص ایک سے زیادہ حصہ نہ لے سکے گا۔ اور اس حصے پر کوئی منافع نہ دیا جائے گا۔ چہارم۔ انجمن کے بنک کو سود کی جو آمدنی ہوگی۔ اس کا دو تہائی حصہ محفوظ سرمائے میں رکھا جائے گا۔ تا کہ اگر کبھی بنک کو خسارہ ہو جائے۔ تو اس میں سے پورا کیا جا سکے۔ اور اگر خسارہ نہ ہو۔ تو گاؤں کی دوسری ضروریات پر صرف کیا جا سکے۔ یہ سرمایہ مستقل رہے گا۔ اور اگر

خدانخواستہ بنک ٹوٹ بھی جائے۔ جب بھی یہ سرمایہ ممبروں میں تقسیم نہ کیا جائے گا۔ بلکہ جمع رکھا جائے گا۔ تاکہ اس کی مدد سے کوئی نیا بنک قائم کیا جائے۔ اگر ایسی صورت نہ ہو سکے گی۔ تو یہ سرمایہ رفاہ عام کے کسی کام میں صرف کر دیا جائے گا۔

(ح) بنک کا انتظام نہایت سادہ اور جمہوری انداز پر ہو گا۔ مقامی مسائل میں آخری فیصلے کا اختیار تو ساری انجمن کی پوری مجلس کو ہو گا۔ جس میں ہر ممبر کو ایک ووٹ کا حق حاصل ہے۔ ہر سال پانچ چھ ممبروں کی ایک انتظامی مجلس مقرر کی جایا کرے گی۔ جس کا اجلاس ہر ہفتے ہوا کرے گا۔ اس انتظامی مجلس کے کاروبار کی نگرانی کے لئے بھی ہر سال چھ سے نو تک ممبروں کی ایک مجلس مقرر کی جائے گی۔ ضلع یا صوبے کی تعاونی انجمن ہر شش ماہی کے بعد اپنا محاسب بھیجا کرے گی۔ جو ان انجمنوں کے حساب کی جانچ پڑتال کیا کرے گا۔ ہر ممبر ذاتی امانتوں کے رجسٹر کے سوا بنک کے تمام رجسٹروں کا معائنہ کر سکے گا۔ بنک کے کسی عہدے دار کو تنخواہ نہ دی جائے گی۔ البتہ ایک خزانچی یا سکرٹری تنخواہ دار ہو گا۔ جسے قرضے دینے کے معاملے میں کوئی ووٹ حاصل نہ ہو گا۔

(ط) معمولی قرضے کی میعاد چھ ماہ سے تین سال تک ہو سکتی ہے۔ اور خاص حالات میں اس سے بھی بڑھائی جا سکتی ہے۔ قرضہ ایک

دم بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی قسطوں میں بھی لیکن ہر حالت میں جو کچھ وصول کیا جائے گا۔ اس میں اصل زر اور سود دونوں شامل ہوں گے + بنکوں کو حق حاصل ہے۔ کہ اگر قرض کا روپیہ خطرے میں پڑ رہا ہو۔ یا کوئی اور سخت ضرورت پیش آ جائے۔ تو قرض کی ادائیگی کے لئے ایک مہینے کا نوٹس دے کر اپنی رقم وصول کر لیں ÷

جرمنی میں اس قسم کے تمام بنکوں پر صوبوں کے بنک اور پھر ان پر سارے ملک کا ایک مرکزی تعاونی بنک قائم ہے۔ یہ بڑے بڑے بنک چھوٹے بنکوں کو ضرورت کے وقت روپیہ بہم پہنچاتے ہیں۔ اور ان کے محفوظ سرمائے سے خود بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اس طرح ان بنکوں کے فوائد بہت وسیع ہو رہے ہیں + بنکوں کے منافع میں سے بہت سا روپیہ اہل دیہات کی تعلیمی۔ اخلاقی اور مالی امداد پر صرف کیا جا رہا ہے۔ سیکڑوں کتب خانے۔ بے شمار سکول۔ بہت سے ہسپتال۔ بہت سے بیمے کے سرمائے اور آگ بجھانے کے برگیڈ قائم کئے گئے ہیں۔ اور ہزاروں آلات زراعت طیار کر کے کسانوں کو بہم پہنچائے جا رہے ہیں ÷

اس تعاونی نظام کا اثر جرمنی کے کسانوں پر کیا ہوا۔ اس کا حال مسٹر ایچ ڈبلیو وولف سے سنو۔ جنہوں نے اپنی ایک کتاب میں وادیٔ رائن کا حال یوں لکھا ہے:۔

زراعت ترقی کر گئی ہے۔ صنعت وتجارت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کاشتکار اپنے ہل۔ سہاگے۔ اور دوسرے آلات نہایت ارزاں قیمت پر خرید رہے ہیں۔ سود خوار مہاجنوں کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔ اور کسان خود چھوٹے موٹے سرمایہ دار بن رہے ہیں۔ وہ اپنا پس انداز روپیہ ڈاک خانے کے بنک میں رکھنے کے بجائے اپنی تعاونی انجمن کے بنک میں داخل کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کا اپنا بنک ہے۔ اس کا انتظام بھی خود انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ اور اس سے ان کے دوسرے بھائیوں کو فائدہ بھی پہنچ رہا ہے۔ بنک کے انتظام میں حصہ لینے کی وجہ سے کسانوں کو مستعدی اور پابندیٔ وقت کی عادت پڑ گئی ہے ؛

دوسری فصل

قصبات کے باشندوں کی تعاونی انجمنیں

رائفی سن نے تو کسانوں کی ضروریات اور اُن کی ذہنیت کو مدِنظر رکھ کر دیہات میں زراعتی بنک قائم کئے تھے۔ لیکن اُسی زمانے میں ایک اور جرمن مسمّی شُلز نے ایسی انجمنیں بنانی شروع کر دیں۔ جو قصبوں اور شہروں کے رہنے والوں کی ضروریات کے لئے مناسب تھیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شُلز کے بنک بہت سی حیثیتوں میں رائفی سن کے بنکوں سے مختلف واقع ہوئے ہیں۔ رائفی سن نے یہ اصول مقرر کیا تھا۔ کہ زمین وارہ بنک کا رقبۂ اثر ایک دو گاؤں سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ لیکن شلز نے اس کو وسعت دے دی۔ اور ایک بنک کو پورے شہر پر حاوی کر دیا۔ رائفی سن کی تعاونی انجمنوں میں صرف

کسان شامل ہو سکتے تھے لیکن شلز نے اپنی شہری انجمنوں میں مختلف
پیشوں کے آدمی شریک کر لئے۔ رائفی سن کے بنکوں میں حصہ داری
کا نظام بالکل عدم کے برابر تھا۔ اور ممبروں کو کوئی منافع تقسیم نہ کیا جاتا
تھا۔ لیکن شلز نے اپنے بنکوں میں کثیر سرمایہ فراہم کرنا شروع کر دیا۔
اور ممبروں کو کافی منافع کے حصص ملنے لگے۔ رائفی سن کے بنکوں
میں عہدے دار کچھ بھی تنخواہ نہ پاتے تھے۔ لیکن شلز نے ہر بنک
کے ساتھ کافی عملہ رکھا۔ اور اسے کافی تنخواہیں دیں۔ گویا عام تجارتی
بنکوں کا سا انداز رکھا۔ رائفی سن کے بنکوں میں ممبروں پر غیر محدود
ذمہ داری عائد تھی۔ یعنی بنک جو قرضہ حاصل کرتا تھا۔ یا لوگ اس
میں جو رقوم امانت رکھتے تھے۔ ان کی ضامن تمام ممبروں کی جائداد
تھی۔ لیکن شلز نے یہ طریقہ رکھا۔ کہ ذمہ داری محدود رہے گی۔ یعنی
قرض اور رقوم امانت کے لئے ممبروں کے حصے ضامن ہوں گے۔
اور ان حصوں پر ایک خاص رقم معیّن کی جائے گی۔ جو نقصان کی
حالت میں ممبروں کو ادا کرنی پڑے گی۔ گویا شلز کے بنک ایک قسم
کے کاروباری بنک تھے۔ اور تعاونی انجمنوں سے انہیں کچھ یونہی
سی مشابہت حاصل تھی۔

اگرچہ شلز کے بنکوں کو بہت کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن سچ یہ
ہے۔ کہ ہم انہیں تعاونی بنک نہیں کہہ سکتے۔ اس قسم کے بنک بعض

اوقات ناکام بھی رہ جاتے۔ اور حصہ داروں کو سخت نقصان اٹھانا پڑتا
چونکہ اس قسم کے بنک میں بڑے بڑے حصے خریدنا بہت ضروری
تھا۔ اس لئے غریب لوگ عام طور پر اس میں شریک نہ ہو سکتے
تھے۔ بعض بنک مشترک راس المال کی کمپنیوں میں تبدیل ہو گئے۔
گویا قرض دینے والے اور قرض لینے والے کے درمیان جو اشتراک
مقاصد تھا۔ وہ رفوچکر ہو گیا۔ اور منافع پرستی نے اس کی جگہ لے لی
جب اس قسم کے بنک میں غریب لوگ حصہ نہ لے سکے۔ اور قرض
لینے والوں کو وہ رعایتیں نہ دی گئیں۔ جو رائفی سن کے بنکوں میں
دی جاتی تھیں۔ تو ظاہر ہے۔ کہ تعاون کی روح تو اڑ گئی ؛

بعض اوقات شلز کے بنک کاشتکاروں کو بھی قرض دے دیا
کرتے تھے۔ سر ایف نکلسن نے نہایت احتیاط سے تحقیقات کر کے
لکھا ہے۔ کہ شلز کے بنکوں نے زراعت کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔
اور وہ آئندہ بھی زیادہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن ان کا مفید اثر چھوٹے
کاشتکاروں تک نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اول۔ قرضے کی میعاد بہت قلیل
ہوتی ہے۔ دوم۔ رقبۂ اثر بہت وسیع ہوتا ہے۔ سوم۔ بنک کے
عہدے دار اور ممبر اس امر کی نگرانی نہیں کر سکتے۔ کہ کاشتکار نے
جو روپیہ قرض لیا ہے۔ اسے وہ مفید کاموں میں استعمال کر رہا ہے یا
نہیں۔ چہارم۔ قرضہ لینے والے پر کوئی تعلیمی اثر نہیں پڑتا۔ پنجم۔ بنک

منافع پرستی کے شوق میں قرض داروں کی آسانیوں کا خیال نہیں کر سکتا ؛

البتہ مسٹر وولف نے بعض مثالیں دے کر یہ ثابت کیا ہے۔ کہ اگر ان بنکوں کے عہدے دار لایق ہوں۔ اور عقل و ہوش سے انتظام کریں تو چونکہ ان بنکوں کے پاس کافی سرمایہ ہوتا ہے۔ اور انہیں امانت کی رقمیں بھی بہت زیادہ وصول ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ بنک کاشتکاروں کو قرضہ بہم پہنچانے میں بڑا کام دے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بنک زیادہ تر صنعتی و تجارتی ہوتے ہیں۔ اور چونکہ کاشتکار کو صرف اُسی زمانے میں قرض لینے کی حاجت ہوتی ہے جب ملک کی اقتصادی حالت خراب ہو۔ اور تاجروں نے قرض لینا روک دیا ہو۔ اس لئے ایسے وقت میں کاشتکار کو قرض بھی آسانی سے مل جاتا ہے۔ اور بنک کے استحکام کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا ؛

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اصول تعاون کے رو سے شلز کے بنک رائفی سن کے بنکوں کے مقابلے میں بہت گھٹیا درجے کے ہیں۔ کیونکہ ان کا نظام سر تا پا کاروباری ہے۔ اور رائفی سن کے نظام میں بے غرضی، مساوات۔ ایک دوسرے کی امداد اور روح ایثار کا جلوہ نظر آتا ہے۔ شلز کے بنک بلاشبہ صناعوں اور تاجروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دولت مند حصہ داروں کو منافع

بھی کثیر تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں رائفی سن کے بنکوں میں جتنا منافع ہوتا ہے۔ وہ رفاہِ عام کے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے صرف چند افراد نہیں۔ بلکہ ساری قوم فائدہ اُٹھاتی ہے۔

اس کے علاوہ انگلستان اور اٹلی میں تعاون کے اَور نظام بھی قائم ہیں۔ لیکن ہم ان کا تفصیلی تذکرہ بے سُود سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان کا سارا نظام تعاون رائفی سن اور شلز کی تقلید ہی میں قائم ہے۔ جن حضرات کو محض معلومات حاصل کرنے کا شوق ہو۔ وہ انگریزی کی بڑی بڑی کتابوں میں انگلستان اور اٹلی کے نظام ہائے تعاون کا حال پڑھ سکتے ہیں۔

تیسرا باب

ہندوستان میں نظام تعاون

پہلی فصل

ہندوستان کے زمینداروں کا قرضہ

دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جس کے کاشتکاروں کو قرض لینے کی ضرورت نہ پڑتی ہو۔ کیونکہ کاشتکاروں کے حالات اور اُن کی ضروریات تقریباً ہر ملک میں یکساں ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت

ہے۔ کہ کاشتکاروں کو قرضہ حاصل کرنے میں ہر جگہ دقّت ہوتی ہے۔ کیونکہ بنکوں کا تمام کاروبار صنعت و تجارت کے لئے وقف ہے۔ اور کاشتکار کی انفرادی ساکھ اتنی نہیں۔ کہ اس پر بنک مطمئن ہو کر قرض دے سکیں + کاشتکاروں کو بنکوں یا مہاجنوں سے کبھی تھوڑے سُود پر اور آسانی سے قرض نہیں ملتا۔ اور یہ بہت ہی بڑی بدقسمتی ہے۔ کہ تجارتی مقاصد کے لئے تو نہایت آسانی اور ارزانی کے ساتھ کاغذ کے ایک پرزے پر بڑی بڑی رقمیں بطور قرض مل جاتی ہیں۔ لیکن کاشتکاروں کو ہمیشہ دقت ہوتی ہے۔ اور اگر قرض ملتا بھی ہے۔ تو وہ تجارتی قرض سے بدرجہا گراں سُود پر ملتا ہے۔ حالانکہ کاشتکار بہترین جائداد منقولہ و غیر منقولہ کو کفالت میں پیش کرتا ہے۔ زمین۔ عمارت مواشی۔ کھڑی فصلیں۔ آئندہ فصلیں۔ غرض ہر بیش قیمت چیز مکفول کرنے کو طیار ہو جاتا ہے۔ لیکن اسے قرض ملنے میں ہمیشہ دقّت ہوتی ہے + اس کی مختلف وجوہ ہیں۔ اوّل۔ کاشتکار کی جہالت دوم۔ کاشتکار اُن شہروں سے دور رہتے ہیں۔ جن میں بنک واقع ہیں۔ سوم۔ بنک اس پر آمادہ نہیں ہوتے۔ کہ قرضے کی تھوڑی تھوڑی رقوم کے لئے دور دست دیہات میں جاہل لوگوں کے ساتھ کاروبار تعلقات پیدا کریں۔ چہارم۔ بنکوں کو اس امر کا کافی علم نہیں ہوتا۔ کہ قرض طلب کرنے والے کی حیثیت اور دیانت کیسی ہے +

انہی وجوہ کے ماتحت یہ امر نہایت ضروری ہے۔ کہ کاشتکاروں کو آسانی سے قرض حاصل کرنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس قسم کی پابندیاں بھی عائد کی جائیں۔ جن کی وجہ سے کاشتکار فضول خرچی کی دلدل میں نہ پھنسنے پائے۔ اور قرض حاصل کر کے فضول اور بے سود کاموں میں ضائع نہ کر دے۔ کیونکہ مفید مقاصد کے لئے قرضہ لینا ہمیشہ افراد اور قوموں کی ترقی و خوشحالی کا باعث ہوتا ہے۔ اور غیر مفید مقاصد پر قرضے کا روپیہ صرف کر دینا اپنے ہاتھوں ہلاکت خریدنے کا مرادف ہے۔ ہندوستان دنیا بھر میں سب سے بڑا زراعتی ملک ہے۔ اس کے باشندوں میں سے تقریباً ساڑھے بائیس کروڑ انسانوں کا پیشہ کاشتکاری ہے۔ یعنی کاشتکار ہندوستان کی پوری آبادی میں ۷۱ فی صدی کا تناسب رکھتے ہیں لیکن ان کا بہت بڑا حصہ قرض اور اس کی مصیبتوں کے بوجھ سے دبا ہوا ہے۔ اور ہمارے نزدیک ہندوستان کے روز افزوں افلاس کا سب سے بڑا باعث بھی قرضہ ہے۔ آج سے چھیالیس سال پہلے ۱۸۸۰ء میں حکومت نے قحط کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔ جس نے اپنی روداد میں لکھا:۔

ہم نے ہندوستان کے ہر حصے سے جو شہادتیں فراہم کی ہیں۔ اُن سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ زمینداروں کا ایک تہائی حصہ تو قرض کے جال میں

اس طرح پھنسا ہوا ہے۔ کہ کسی طرح چھٹکارا ممکن ہی نظر نہیں آتا۔ اور دوسرا تہائی حصہ بھی مقروض تو ہے۔ لیکن اپنے قرضوں کو ادا کرنے کی تھوڑی بہت صلاحیت رکھتا ہے۔ (گویا ساری آبادی میں سے صرف ایک تہائی کاشتکار قرض کی لعنت سے آزاد ہیں)

اس کے بعد ۱۹۰۱ء میں جو قحط کا کمیشن مقرر ہوا۔ اس نے اس صورت حالات کی اور بھی زیادہ خوف ناک تصویر کھینچی:-

حکومت بمبئی کے چیف سکرٹری نے ہمارے سامنے شہادت دیتے ہوئے بیان کیا۔ کہ بھڑوچ میں ۸۲ فی صدی اراضی زمینداروں کے قبضے سے نکل کر مہاجنوں اور ساہوکاروں کے ہاتھوں میں جا چکی ہے+ احمد آباد کے کلکٹر کی رپورٹ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان کے ضلعے میں بھی پرانے مالک بہت بڑی تعداد میں بے دخل کئے جا چکے ہیں۔ ان تمام بیانات کو مدنظر رکھ کر اور شہادتوں سے ان کا مقابلہ کر کے ہم سمجھتے ہیں۔ کہ احاطہ بمبئی کے ایک چوتھائی کاشتکاروں کی زمین مہاجنوں کے قبضے میں منتقل ہو چکی ہے اور جو زمین دار قرضے سے آزاد ہیں۔ ان کی تعداد کل کے پانچویں حصے سے بھی کم ہے۔ باقی چار حصے سب کے سب کم و بیش قرض میں مبتلا ہیں۔

اقتصادیات ہند کے ایک بہت بڑے ماہر مسٹر ولیم کروک لکھتے

ہیں۔ کہ ہندوستان کے کاشتکاروں میں ۵۶ فی صدی سے ۸۰ فی صدی تک مقروض ہیں۔ سر تھیوڈور ماریسن کا خیال ہے۔ کہ کل کاشتکاروں میں سے دو تہائی ایسے ہیں۔ جو عام طور پر دیہاتی مہاجنوں سے قرض لیتے ہیں۔ اور اس پر نہایت گراں سُود ادا کرتے ہیں مسٹر ایم۔ ایل ڈارلنگ اپنی مشہور کتاب "مزارع پنجاب" میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کے کاشتکاروں کا مجموعی قرضہ تین ارب روپیہ تھا۔ لیکن تازہ حساب کے رو سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ قرضہ چھ ارب تک پہنچ چکا ہے +

ان خوفناک اعداد و شمار سے اندازہ کر لو۔ کہ کاشتکاران ہند کی اقتصادی حالت کس قدر تباہ ہے۔ اور اگر قرض اور سُود کے روز افزوں بوجھ کی یہی حالت رہی۔ تو ملک کا مستقبل کس قدر ہولناک ہوگا + قرض کی وسعت تو تمہیں معلوم ہو چکی۔ اب یہ بھی سُن لو۔ کہ کسانوں سے اس قرضے کا سُود کس قدر وصول کیا جا رہا ہے +

آج سے بیس سال پہلے ۱۹۰۶ء میں شملہ کے مقام پر آل انڈیا رجسٹرار کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس نے اندازہ کیا تھا۔ کہ دیہاتی مہاجن کاشتکاروں سے متذکرہ ذیل شرح پر سُود لیتے ہیں:۔

مدراس	۱۲ سے پندرہ فی صدی سالانہ تک
میسور	۱۲ فی صدی سالانہ

بمبئی	۱۲ سے ۱۵ فی صدی سالانہ تک		
صوبجات متوسط	۱۸ سے ۲۵	″	″
بنگال	۱۸ سے ۲۵	″	″
مشرقی بنگال	۱۸ سے ۲۵	″	″
آسام	۳۷½ فی صدی	″	″
پنجاب	۲۴	″	″
صوبجات متحدہ کی قسمت اودھ و میرٹھ	۱۲ سے ۱۸	″	″
دوسری قسمتیں	۳۷½	″	″

یہ حالت آج سے بیس سال پہلے تھی۔ مسٹر ایسکولی لکھتے ہیں۔ کہ ضلع ڈھاکہ میں ڈیڑھ سو فی صدی سالانہ سود پر بھی قرض دیا گیا ہے اور عام شرح سود ۲۴۔ ۳۷½ اور ۷۵ فی صدی مقرر ہے۔ اگر اوسط کا حساب لگایا جائے۔ تو تقریباً ۷۵ فی صدی ہوتا ہے۔

مسٹر ایم۔ ایل ڈارلنگ نے "آئرش اکنامسٹ" میں ایک مضمون "پنجاب کے نظام تعاون" پر لکھا تھا۔ جس میں آپ نے بتایا۔ کہ ایک کاشتکار نے کسی ساہوکار سے چھبیس روپے بطور قرض لئے۔ دس سال کے بعد وہ چھبیس روپے پانسو ہو گئے۔ اس کے علاوہ ایک اور آدمی کا ذکر ہے۔ کہ اس نے کسی وجہ سے اپنے گاؤں کی "انجمن تعاون" کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور ساہوکار کے پاس قرض لینے گیا ساہوکا

نے دو مہینے کی میعاد کے لئے ۳۳ فی صدی سُود طلب کیا۔ جو تقریباً دو سو
فی صدی سالانہ کے برابر ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ کاشتکار گھبرا کر واپس آیا۔
اور پھر اپنی انجمن میں شامل ہو گیا + مسٹر وُولف لکھتے ہیں۔ کہ ۲۵ سے
۷۵ فی صدی سالانہ تک سُود تو عام طور پر لیا جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی
یہی سُود ایک سو فی صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ
ایک رجسٹرار نے ایک شخص کا حال لکھا ہے۔ جس سے ساہوکار نے
۱۴۳۰ فی صدی سالانہ کے حساب سے سُود لیا +

ان قرض کے حاجتمند زمینداروں اور کاشتکاروں کی مصیبتیں اس خوفناک
شرح سود ہی پر تمام نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ یہ بھی واضح رہنا چاہئے۔ کہ
چونکہ ان میں سے اکثر جاہل ہوتے ہیں۔ اور اُدھر کئی قرض دینے والوں
کی نیتیں درست نہیں ہوتیں۔ وہ ان کی جہالت سے فایدہ اُٹھا کر
حساب کچھ کا کچھ بنا لیتے ہیں۔ اور رقموں کو بڑھا بڑھا کر اپنے رجسٹر میں
لکھتے۔ اور اس پر ان پڑھ کاشتکار کے انگوٹھے کا نشان لگوا لیتے ہیں +
اس کے علاوہ جب فصل تیار ہوتی ہے۔ تو نئی مصیبت آتی ہے + کئی
قرض خواہ اس موقع پر اپنا روپیہ طلب کرنے کو آن موجود ہوتے ہیں +
روپیہ ادا کرنے کا بندوبست کر لیا۔ تو چھٹکارہ مل گیا۔ نہ کیا۔ تو قرض خواہ
اپنی مرضی سے نرخ مقرر کر کے فصل اُٹھا لے جاتا ہے + غرض کاشتکار جو کچھ
پیدا کرتا ہے۔ اس کا کچھ حصہ یوں تلف ہو جاتا ہے + کچھ سود میں غارت

ہوتا ہے۔ اور فصلوں کے درمیانی زمانے میں اس غریب کو اپنی ضروریات کے لئے پھر قرض لینا پڑتا ہے۔ غرض اسی چکر میں اس بدنصیب کی عمر تمام ہو جاتی ہے ؛

کاشتکار کے علاوہ گاؤں کے غریب کاریگر مثلاً جلاہے۔ موچی۔ لوہار۔ اور دوسرے پیشہ ور بھی اسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ وہ اشیائے خام خریدنے کے لئے روپیہ قرض لیتے ہیں۔ اور بعض اوقات قرضخواہ روپیہ فوراً ادا کرنے پر اس قدر اصرار کرتا ہے۔ کہ آخر انہیں اپنی مصنوعات اَونے پَونے بیچ کر جان چھڑانی پڑتی ہے۔ اور اکثر اوقات ان مصنوعات کا خریدار بھی قرض خواہ خود ہی ہوتا ہے ؛ ظاہر ہے۔ کہ اپنی چیزیں اس طرح بے موقع بیچنے سے وہ پیشہ ور کسی قسم کا نفع نہیں کما سکتے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ انہیں اپنی خوراک پوشاک۔ اور دوسری تمام ضروریات زندگی کے لئے پھر قرض لینا پڑتا ہے۔ گویا انہیں سرمایہ نہایت گراں سُود پر ملتا ہے۔ اور اپنی مصنوعات نہایت ارزاں بیچنی پڑتی ہیں ؛ سرڈینیئل ہملٹن نے اس صورت حالات پر ایک بہت پتے کی بات لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ "اگر کسی پیشہ ور کو اپنی صنعت سے نفع حاصل کرنا مقصود ہو۔ تو اسے چاہئیے کہ اپنی راس ارزاں شرح سُود پر حاصل کرے۔ اور پیداوار گراں قیمت پر بیچے۔ لیکن ہندوستان کے پیشہ ور اور کاشتکار بالکل اُلٹے رستے پر گامزن ہیں۔ وہ اپنی راس

گراں قیمت پر خریدتے ہیں۔ اور پیداوار ارزاں فروخت کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان پر دونوں طرف سے دباؤ پڑتا ہے۔ اور ان کی زندگی ہمیشہ افلاس میں گزرتی ہے"۔

ان مصائب کے اسباب یہ ہیں:۔

اول۔ دیہاتی باشندے کفایت شعاری اور جُزرسی کے فوائد سے بے خبر ہیں۔

دوم۔ اپنی آمدنی سے کچھ پس انداز کر کے وقت ضرورت کے لئے اکٹھا رکھنا ان کی عادت سے باہر ہے۔

سوم۔ شادی و غمی اور دوسری تقریبات پر اسراف سے کام لیتے ہیں۔

چہارم۔ کوئی ایسا مقام موجود نہیں۔ جہاں کسان اپنا پس انداز روپیہ محفوظ کر رکھیں۔

پنجم۔ کوئی ایسا شخص یا جماعت موجود نہیں۔ جو کسانوں کو بوقت ضرورت مناسب شرح سُود پر قرض مہیا کر سکے۔

مہاجن اگر ہمدردی سے کام لیں۔ تو کاشتکاروں کے کام آ سکتے ہیں۔ ان کی زمینوں کو زرخیز بنانے کے لئے انہیں مدد دے سکتے ہیں۔ ناگہانی ضرورت کے وقت ان کی دستگیری کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کے طریق عمل میں مندرجہ ذیل بڑے بڑے عیب ہیں:۔

اول۔ وہ ناکافی سرمائے سے کاروبار کرتے ہیں۔

دوم۔ وہ چھوٹی چھوٹی قسطوں میں قرضے کا روپیہ وصول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے ۔

سوم۔ ان کی شرح سود اکثر اوقات عام شرح سود سے بہت زیادہ ہوتی ہے ۔

چہارم۔ وہ غیر مفید مقاصد کے لئے بلا تکلف قرضہ دیتے ہیں۔ اور کسان کو یہ دوستانہ مشورہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ کہ اس قسم کا قرض تم بآسانی ادا نہ کر سکو گے۔ اور تباہ ہو جاؤ گے ۔

پنجم۔ بعض کی نیت ہی یہ ہوتی ہے۔ کہ قرض دے کر کسان کو ہمیشہ کے لئے اپنا محتاج بنا لیں۔ یا رفتہ رفتہ اس کی زمین اپنی ملکیت بنا لیں۔ ان تمام باتوں کی اصلاح تو بالکل غیر ممکن نظر آتی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے جو شخص روپے کا لین دین کرتا ہے۔ اسے سب سے زیادہ اپنے ہی روپے کا خیال رہتا ہے۔ البتہ کاشتکاروں اور دوسرے ضرورت مندوں کو فائدہ پہنچانے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ دیہات میں تعاونی انجمنیں قائم کی جائیں ۔ یہ انجمنیں اپنے ضرورت مند ممبروں کو کافی سرمایہ بہم پہنچاتی ہیں۔ مقابلتاً سود بہت کم لیتی ہیں چھوٹی چھوٹی قسطوں میں قرضہ وصول کر لیتی ہیں۔ اپنے کاروبار کا حساب باقاعدہ رکھتی ہیں۔ اور حتی الامکان اپنے ممبروں کی سہولت اور ان کا نفع ان کے مدنظر رہتا ہے اس کے علاوہ ان کو جو سود کا روپیہ وصول ہوتا ہے۔ وہ بھی رفاہ عام

کے کاموں پر صرف کرتی ہیں۔ جن سے پھر کاشتکاروں ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ جو ممبران انجمنوں میں حصہ لیتے ہیں۔ وہ مالی کاروبار اور تنظیم کے طریقے سیکھتے ہیں۔ اور حکومت خود اختیاری کی ابتدائی تربیت حاصل کرتے ہیں۔

دوسری فصل

ہندوستان میں نظامِ تعاون کی تاریخ

تمہیں معلوم ہے۔ کہ ہمارے ملک کی عورتیں مدت دراز سے ایک خاص قسم کی تعاونی انجمنیں حصول قرضہ کی غرض سے چلا رہی ہیں۔ ان انجمنوں کو وہ اپنی اصطلاح میں "کمیٹی" کہا کرتی ہیں۔ ان کمیٹیوں کی بنیاد دیانت داری ایک دوسرے پر اعتماد اور اشتراک پر قائم ہے۔ اس کی عملی صورت یوں ہے۔ کہ مثلاً بیس عورتیں پانچ پانچ روپیہ ماہوار دینا منظور کرتی ہیں۔ ہر مہینے ایک سو روپیہ کی رقم جمع ہو جاتی ہے۔ اس پر قرعہ ڈالا جاتا ہے۔ یا بعض ضرورت مند عورتوں میں سے ایک کی ضرورت کو ترجیح دے کر وہ ایک سو روپے کی رقم اسے بطور قرض دے دی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے مہینے دوسری عورت

کی باری آجاتی ہے۔ یہ سلسلہ بیس ماہ تک جاری رہتا ہے۔ اور بیسوں عورتوں کو ایک ایک سو روپیہ یکے بعد دیگرے مل جاتا ہے۔ اگرچہ یہ روپیہ ان کا اپنا ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ کتنی بڑی آسانی ہے۔ کہ ضرورت کے وقت یکمشت روپیہ مل گیا۔ اور اس کے بعد پانچ روپے ماہوار کی قسط آسانی سے ادا ہوتی رہی۔ جن عورتوں کو آخری مہینوں میں روپے ملے۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ گھر میں خاص طور پر پانچ روپے مہینہ میں انداز کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے "کمیٹی" کی پابندی سے یہ روپے جمع ہو گئے۔ اور بندھی رقم ہاتھ آ گئی۔

اس قسم کی کمیٹیوں نے عورتوں کو بے انتہا فائدہ پہنچایا ہے۔ اکثر عورتیں گھر کی ضروری اشیا اور اپنے زیور اسی طریق سے بناتی ہیں۔ اور بعض نے تو اسی قسم کی کمیٹیوں کی برکت سے چھوٹے موٹے مکان بھی بنا لیئے اور اپنی اولاد کی شادیاں بھی کر دیں۔ غرض یہ تعاونی انجمنیں بہت بڑی حد تک مفید ثابت ہوئی ہیں۔ اور ان کا وجود اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ ہندوستان کے رہنے والے نظام تعاون کو اختیار کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

بعض مقامات پر اس قسم کی "کمیٹیوں" میں منافع بھی لے کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کا طریق یوں ہے۔ کہ مثلاً جب بیس عورتیں پانچ پانچ روپے دے کر ایک سو روپیہ فراہم کر لیتی ہیں۔ تو قرعہ

ڈالنے اور ضرورت مندوں کی درخواستوں پر غور کرنے کے بجائے کمیٹی کی سیکرٹری خاتون اس رقم کو نیلام کر دیتی ہے۔ ایک ضرورت مند خاتون کہتی ہے۔ کہ میں نوّے روپے وصول کر کے سو ادا کروں گی۔ دوسری زیادہ ضرورت مند ہے۔ وہ پچاسی ہی لینے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سب سے چھوٹی بولی پر رقم نیلام کر دی جاتی ہے اور جس عورت کو وہ رقم ملتی ہے۔ اس سے پورے ایک سو کی ادائیگی کا عہد لے لیا جاتا ہے۔ جو رقم اس طرح بچتی ہے۔ اسے باقی ممبر عورتیں آپس میں تقسیم کر لیتی ہیں۔

سنہ ۱۸۵۰ء کے قریب احاطۂ مدراس کے بعض سرکاری ملازموں نے اس قسم کی کمیٹیوں کے نظام پر غور کیا۔ اور ساہوکاروں کے مظالم سے نجات پانے کے لئے اس کو باقاعدہ صورت میں منظم کیا۔ انہوں نے نئی کمیٹی کا نام "ندھی" رکھا۔ اس کی میعاد سات سال تجویز کی۔ اور یہ قرار دیا۔ کہ اس کا ہر ممبر ۸۴ مہینوں تک ایک خاص رقم ماہوار دیتا رہے گا۔ سات سال ختم ہونے کے بعد کمیٹی بند کر دی جائے گی اور ہر چوراسی روپے کی رقم کے عوض میں ایک سو دو روپے آٹھ آنے رقم ادا کی جائے گی۔ اس سرمائے میں سے ممبروں کو سوا چھ روپے فی صدی سود پر قرض دیا جاتا تھا۔ قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر ہونے پر تاوان بھی وصول کیا جاتا۔ ماہوار باقاعدہ اقساط وصول

کی جائیں۔ اور یہ قرضہ کسی نہ کسی قسم کی جائداد کی کفالت پر دیا جاتا"
اس کے بعد ان "کمیٹیوں" "ندھیوں" کو مستقل بنانے کی فکر پیدا ہوئی۔ چنانچہ ان کے دوران ہی میں وقتاً فوقتاً نئے حصے جاری کر دیئے جانے لگے۔ گویا آخر میں جا کر حصے ختم ہو جاتے تھے۔ لیکن کمیٹی برابر قائم رہتی تھی۔ اور نئے ممبر اس میں آتے اور جاتے رہتے تھے۔ اس قسم کی کمیٹیوں کی روح محض "اشتراک" تھی۔ یہ گویا ایسے آدمیوں کا ایک گروہ تھا۔ جو ایک دوسرے کو قرضے کی امداد دینے کے لئے متحد ہو گئے تھے۔ اور اس کاروبار میں جو منافع ہوتا تھا۔ وہ بھی ممبروں ہی میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس طرح قرضہ دینے والے اور قرضہ لینے والے سب کے سب فائدے میں رہتے تھے۔

چونکہ ندھیوں کا نظام زراعت پیشہ لوگوں کی ضرورتوں سے چنداں مطابق نہ تھا۔ اس لئے یہ زیادہ تر پڑھے لکھے اشخاص میں مقبول ہوئیں۔ اور بعض ناکامیوں اور خرابیوں کے باوجود انہوں نے بڑا کام کیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۲ء میں ان کمیٹیوں کے اندر چھبیس ہزار ممبر تھے۔ اور چھہتر لاکھ کا سرمایہ ادا کر چکے تھے۔

اسی دوران میں سنہ ۱۸۸۲ء کا ذکر ہے۔ سر ولیم ویڈربرن نے جو اس زمانے میں پونا کے ڈسٹرکٹ جج تھے۔ زراعتی بنکوں کے قیام

کی تجویز پیش کی۔ اور حکومت ہند نے حکومت بمبئی کو ضلع پونا کے تعلقہ پورندھر میں ایک زراعتی بنک تجربے کے طور پر کھولنے کا مشورہ دیا + اس بنک کا مقصد یہ تھا۔ کہ کاشتکاروں کو معقول شرح سود پر قرض دیا جائے۔ طریق کار یہ تھا۔ کہ بعض ہندوستانی یا یورپین سرمایہ داروں سے معمولی سود پر قرضہ لے کر زمینداروں کو اُس سے ذرا زیادہ شرح سود پر مہیا کر دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ "زیادہ شرح سود" ساہوکاروں کے ظالمانہ بیاج کے مقابلے میں بہت کم ہوتی تھی + اس قرضے کی کفالت کے لئے کسان کی محنت اور دیانت پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ اور یہ سمجھ لیا جاتا تھا۔ کہ جب وہ کسان ساہوکار کو چوبیس فی صدی سود ادا کرنے کے باوجود اب تک زندگی بسر کر رہا ہے۔ اور اس نے اپنا قرضہ ادا کرنے میں کبھی غفلت سے کام بھی نہیں لیا۔ تو پھر اس پر ہر وقت اعتماد کیا جا سکتا ہے +

حکومت ہند نے اس زراعتی بنک کے کاروبار کو مدد پہنچانے کے لئے مندرجہ ذیل تدبیریں اختیار کرنے پر آمادگی ظاہر کی :۔

اوّل۔ اس مخصوص علاقے کے کسانوں کا پہلا قرضہ بیباق کر دیا جائے گا۔ اور بنک اپنا کاروبار شروع کرتے وقت حکومت کا روپیہ بھی ادا کرے گا +

دوم۔ کچھ مدت تک بنک کو اجازت دے دی جائے گی۔ کہ

وہ اپنے قرضے عدالت ہائے مال کی وساطت سے وصول کر سکے ؎

سوم۔ بعض حالات میں اس بنک کے قرضوں کو دوسری چیزوں پر ترجیح دی جائے گی ؎

چہارم۔ کچھ مدت کے لئے اسٹامپ اور دوسرے محصولات بنک کو معاف کر دیئے جائیں گے ؎

بنک کو اختیار دیا گیا۔ کہ تعلقہ کے اندر جس شخص کو جس مقصد کے لئے روپیہ درکار ہو۔ اسے بطور قرض دے دے۔ لیکن کسی سے ۱۲ فی صدی سالانہ سے زیادہ سود وصول نہ کرے۔ اور دوسرے معاملات میں حکومت کے جاری کردہ قواعد وضوابط کا پابند رہے۔

یہ تجویز وزیر ہند کے پاس بھیجی گئی۔ تو اس نے اسے نامنظور کر دیا۔ اس نے لکھا۔ کہ کسانوں کے پرانے قرضے بیباق کرنا اور نئے قرضے دینا بے انتہا مشکل کام ہے۔ اور اگر ایک ایسے بنک کو وصولِ قرضہ کے معاملے میں حکومت نے مدد دینی شروع کی۔ تو وہ بنک بالکل سرکاری ہو جائے گا۔ اور اس کی ناکامی کی بدنامی بھی حکومت ہی کو اٹھانی پڑے گی۔ اس کے علاوہ یہ تجویز اقتصادی اعتبار سے بھی موزوں نہیں ہے۔ چنانچہ یہ تجویز مسترد کر دی گئی لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ اس نے ہندوستان میں تعاونی انجمنوں کے قیام کا خیال ضرور پیدا کر دیا۔ اور اس کا سہرا ولیم ویڈربرن

ہی کے سر ہے ؀

مدراس میں بھی یہی صورت پیش آئی۔ اور حکومت مدراس نے مسٹر (بعد میں سر ہو گئے) ایف اے نکلسن کو حکم دیا کہ احاطہ مدراس میں زمینداروں کے لئے بنک قائم کرنے کی تجویز پر غور کرکے ایک روداد مرتب کرو۔ مسٹر نکلسن کئی سال تک اس کام میں مصروف رہے۔ اور آخر زراعتی بنکوں کی تجویز پر ایک روداد تحقیقات مرتب کی۔ جو معلومات کے اعتبار سے ایک نہایت حیرت انگیز کتاب ہے۔ اس کے بعد صوبجات متحدہ کے ایک افسر مسٹر ڈوپرنکس نے بھی ان مسائل پر غور کیا۔ اور "شمالی ہند میں جمہور کے بنک" کے نام سے ایک نہایت اچھی کتاب لکھی ؀

ابھی حکومت نے تعاونی انجمنوں کے قیام کے لئے کوئی قانون نافذ نہ کیا تھا۔ کہ سر اینٹونی میکڈانل نے (جو بعد میں لارڈ ہو گئے) سنہ ۱۹۰۱ء میں صوبجات متحدہ کے اندر قرضے کی دو سو تعاونی انجمنیں قائم کر دیں۔ جب حکومت کو ان انجمنوں کی عمدگی کا احساس ہوا۔ تو اسی سال اس نے چند معزز اور لائق اصحاب کی ایک مجلس مقرر کر دی۔ تاکہ ہندوستان میں تعاونی انجمنوں کے امکانات پر غور کرے۔ اس کمیٹی کے صدر سر ایڈورڈ لا اور ارکان سر فریڈرک نکلسن سر ہیمبیلٹ فاریٹ مسٹر جے ولسن۔ مسٹر ہیمبیلٹ ہرسے اور مسٹر ایچ ڈوپرنکس تھے ؀

تھے۔ اس کمیٹی نے یکم جون ۱۹۰۱ء کو بمقام شملہ اپنا اجلاس منعقد کیا اور ۱۰۔ جولائی تک کوئی سولہ اجلاس منعقد کر کے اپنا کام ختم کیا۔ اس کمیٹی نے نظام تعاون کی نہایت پُرزور سفارش کی۔ اور اس سفارش کو تقویت پہنچانے کے لئے مختلف صوبوں کی حکومتوں کے خیالات بھی درج کئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ بھی بتایا۔ کہ اس قسم کی انجمنوں کا طریق کیا ہونا چاہئے۔ حکومت ان کو کس حد تک مدد دے۔ اور کس حد تک ان پر اپنا اقتدار قائم رکھے۔ انہوں نے مثال کے طور پر اس قسم کی انجمنوں کا نظام بھی تجویز کیا۔ اور آخر میں تعاونی انجمنوں کی امداد۔ ان کے طریق کار اور ان کی نگرانی کے لئے ایک مسودۂ قانون بھی وضع کر کے پیش کر دیا۔

یہ مسودۂ قانون صوبجات کی حکومتوں کے پاس اظہار رائے کے لئے بھیج دیا گیا۔ اور جب ان کے جوابات موصول ہو گئے۔ تو ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو سر ڈنزل ابٹسن نے قانون انجمن ہائے تعاون قرضہ (کوآپریٹو کریڈٹ سوسائٹیز بل) مجلس وضع قوانین ہند میں پیش کیا۔ سر ڈنزل نے اس موقع پر جو تقریر کی۔ اس کے ابتدائی حصے میں تو تعاونی انجمنوں کے وہی بنیادی اصول بیان کئے۔ جو رائفی سن اور شلزے نے دیہاتی اور قصباتی انجمنوں کے لئے وضع کئے تھے۔ اور بتایا۔ کہ اس قانون کے ماتحت جو انجمنیں قائم ہوں

گی۔ ان کے اصول بھی وہی ہوں گے۔ تقریر کے آخری حصے میں
آپ نے بیان کیا۔ کہ اس قسم کی انجمنوں کو حکومت کی طرف سے
بعض رعایات دی جائیں گی۔ مثلاً کوئی شخص کسی کسان کے قرضے
کے سلسلے میں اس کا وہ حصہ یا وہ سود قرق نہ کرا سکے گا۔ جو تعاونی
انجمن میں پڑا ہے + اگر کوئی تعاونی انجمن کسی قسم کی جائداد منقولہ
یا غیر منقولہ بطور قرض کسی کو مہیا کرے گی۔ تو جب تک وہ قرضہ ادا
نہ ہو جائے گا۔ اس جائداد پر انجمن کا قبضہ تسلیم کیا جائے گا: عدالتوں
میں اس قسم کی انجمنوں کے رجسٹر معتبر سمجھے جائیں گے۔ اور جو اندراج
ان میں ہوگا۔ اسے صحیح شہادت کا درجہ دیا جائے گا + اس قسم کی
انجمنیں آمدنی کے ٹیکس۔ اور اسٹامپ اور رجسٹری کے مصارف
سے آزاد ہوں گی۔ ایک سرکاری افسران انجمنوں کے حسابات کی
پڑتال کیا کرے گا۔ تاکہ غبن اور بے ایمانی نہ ہونے پائے۔ اور
ممبروں اور دوسرے لوگوں کے نزدیک انجمنیں معتبر بھی رہیں۔
اس کے علاوہ حکومت ان انجمنوں کو جو روپیہ پیشگی دے گی۔ وہ
مالیہ کی رقوم بقایا کی حیثیت سے وصول کیا جائے گا +

اگرچہ مجلس وضع قوانین ہند کے بعض ممبروں نے ان انجمنوں
کی کامیابی کے متعلق شبہات بھی ظاہر کئے۔ اور قانون کی مخالفت
بھی کی۔ لیکن ۲۵۔ مارچ ۱۹۰۴ء کو یہ قانون منظور ہو کر نافذ ہو گیا

اس قانون میں دیہاتی اور قصباتی انجمن ہائے قرضہ کا نظام الگ الگ تجویز کیا گیا تھا۔ اور زیادہ تر رائفی سن اور شلز کے اصول کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ صوبجات کی حکومتوں کو اختیار دیا گیا تھا۔ کہ وہ قرضے کی تعاونی انجمنوں کے رجسٹرار مقرر کریں۔ جو اس قانون کے ماتحت قائم ہونے والی انجمنوں کی درخواستوں پر غور کریں۔ اور پھر انہیں رجسٹری کرلیں ؛

اس قانون کے نفاذ کے بعد دو ہی سال کے اندر ملک میں کوئی آٹھ سو تعاونی انجمنیں قائم ہوگئیں۔ اور سال بسال ان کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۰۴ء کے قانون میں بعض عیوب و نقائص بھی نظر آنے لگے۔ جن کی اصلاح مزید ترقی کے لئے نہایت ضروری تھی۔ مثلاً سرمائے کی فراہمی میں سہولت پیدا کرنے کے لئے بعض مرکزی انجمنوں کی ضرورت پڑی۔ جو چھوٹی انجمنوں کی نگرانی بھی کریں۔ اور انہیں سرمایہ بھی مہیا کرتی رہیں۔ لیکن ۱۹۰۴ء کے قانون میں اس قسم کی مرکزی انجمنوں کا ذکر بھی نہ تھا۔ دیہاتی اور قصباتی انجمنوں میں امتیاز چنداں ضروری نہ تھا۔ اور عملی اعتبار سے یہ ثابت ہوگیا۔ کہ ان انجمنوں میں صرف محدود اور غیر محدود ذمہ داری کی بنا پر طبعی فرق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں۔ جو ان دونوں کو متمیز کر سکے۔ اس کے

علاوہ ۱۹۰۴ء کے قانون میں قرضے کی انجمنوں کے سوا دوسری قسم کی تعاونی انجمنوں کے لئے کوئی دفعہ نہ تھی۔ حالانکہ زندگی کے بےشمار شعبوں میں تعاون کا اصول جاری کیا جا سکتا ہے۔ اور پیدا کرنے والی اور استعمال کرنے والی انجمنیں ہر جگہ قائم کی جا سکتی ہیں چنانچہ ۱۹۱۲ء میں تعاونی انجمنوں کا ایک اور قانون نافذ کیا گیا۔ جس میں رجسٹراروں کو اختیار دیا گیا۔ کہ وہ قرضے کے علاوہ دوسرے مقاصد کی انجمنوں کو بھی رجسٹری کر سکتے ہیں۔ دیہاتی و قصباتی انجمنوں کا فرق و امتیاز مٹا دیا گیا۔ اور صرف محدود ذمہ داری اور غیر محدود ذمہ داری کی بنا پر ان کو الگ الگ قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ اس قانون نے مرکزی یونین۔ مرکزی بنکوں اور دوسری ضروری انجمنوں کے قیام کی منظوری بھی دے دی۔

۱۹۱۲ء کے قانون کا یہ اثر ہوا۔ کہ تعاونی انجمنوں کا کام پہلے سے بہت زیادہ تیز ہو گیا۔ قرضے کی تعاونی انجمنوں کے علاوہ دوسری قسم کی انجمنیں بھی دھڑا دھڑ قائم ہونے لگیں۔ پیداوار کی فروخت۔ مویشی کا بیمہ۔ دودھ کی بہم رسانی۔ سوت۔ ریشم اور کھاد کی خرید۔ آلات زراعت اور عام ضروریات کی خرید و فروخت غرض بےشمار مقاصد کے لئے تعاونی انجمنیں قائم ہو گئیں۔ اور سال بسال لوگوں کی توجہ اس مفید نظام کی طرف زیادہ مبذول ہونے لگی۔

اس وقت چونکہ تحریک تعاون میں بہت کافی سرمایہ لگا ہوا تھا۔ مالی انتظامات کی پیچیدگیاں روز افزوں ہو رہی تھیں۔ اور نگرانی اور پڑتال کا اہتمام بھی ناکافی تھا۔ اس لئے ۱۹۱۴ء میں حکومت نے یہ قرار دیا۔ کہ جب تک اس تمام کاروبار کا پورا پورا جائزہ نہ لیا جائے۔ اور اس امر کا اطمینان نہ کر لیا جائے۔ کہ تحریک تعاون عمدہ اقتصادی اصول پر چلائی جا رہی ہے۔ حکومت اس کی مزید ترقی کی خاطر اپنے آپ پر ذمہ داری لینے کے لئے طیار نہیں۔ آخر ۸۔ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو سر ایڈورڈ میکلیگن کی صدارت میں سرکاری اور غیر سرکاری اصحاب کی ایک مجلس تحقیقات مقرر ہوئی۔ جس نے چار مہینے تک سارے ملک کا دورہ کیا۔ ۱۳۹ سرکاری اور غیر سرکاری اصحاب کی شہادتیں لیں۔ ۱۳۵ تعاونی انجمنوں کے کاروبار کا معائنہ کیا۔ اور بہت سے مشترک راس المال کے بنکوں کے منیجروں سے بھی ملاقات کی۔ آخر ۱۹۱۵ء میں اس مجلس کی روداد شائع ہوئی۔ جس میں نہایت حوصلہ افزا خیالات ظاہر کئے گئے۔ اور یہ لکھا گیا۔ "کہ کسی وقت یہ تحریک یقیناً اتنی وسیع اور عظیم الشان ہو جائے گی۔ کہ موجودہ حالت اس کے سامنے بالکل کالعدم معلوم ہوگی"۔

بس وہ دن اور یہ دن۔ نظام تعاون کا جال ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے۔ مسٹر وولف نے ۱۹۱۹-۲۰ء کے

اواخر میں بتایا۔ کہ آج ہندوستان میں (جس میں میسور۔ بڑودہ۔ حیدرآباد دکن اور بھوپال بھی شامل ہیں) ۴۰۷۶۲ تعاونی انجمنیں قائم ہیں۔ جن کے ممبروں کی تعداد ۱۵۲۱۱۴۸ تک پہنچ چکی ہے۔ اور ان انجمنوں کا سرمایہ ۲۱۴۰۷۱۰۰۰ ہے۔ صرف برطانوی ہند میں انجمنوں کی تعداد ۳۷۲۵۴۔ ممبروں کی تعداد ۱۳۸۱۴۸۰۔ اور سرمائے کی مقدار ۱۹۶۸۸۶۰۰۰ ہے ؟

اس کے بعد مسٹر سٹر کلینڈ نے اپنی کتاب "کواپریشن ان انڈیا" میں لکھا۔ کہ مارچ سنہ ۱۹۲۲ء میں صرف برطانوی ہند کے اندر تقریباً پچاس ہزار تعاونی انجمنیں قائم ہیں۔ جن میں سے نوّے فی صدی تو دیہاتی زراعتی انجمنیں ہیں۔ سات فی صدی غیر زراعتی سوسائٹیاں ہیں۔ اور تین فی صدی مرکزی بنک یونین اور دوسری قسم کی انجمنیں ہیں ؟

ماہ اگست سنہ ۱۹۲۶ء میں کونسل آف سٹیٹ کے ایک ممبر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے سر محمد حبیب اللہ نے بتایا۔ کہ آج برطانوی ہند میں ۴۷۵ سنٹرل بنک اور باسٹھ ہزار تعاونی انجمنیں قائم ہیں۔ جن کے ارکان کی تعداد تئیس لاکھ ہے۔ اور ان انجمنوں میں تقریباً چوالیس کروڑ روپے کا سرمایہ لگا ہوا ہے ؟

ان ابواب میں ہم نے نظام تعاون کے اصول اور ہندوستان

ہیں اس کی مختصر تاریخ کے واقعات بیان کردیئے ہیں۔ اور ایک عام پڑھنے والے کے لئے اتنی ہی معلومات کافی ہے۔ آیندہ ہم پنجاب کے کاشتکاروں کی مالی حالت اور اس صوبے میں نظام تعاون کے فوائد پر کسی قدر تفصیل سے اظہار خیالات کریں گے ؛

چوتھا باب

پنجابی کسان کی خوشحالی اور اُسکا قرض

پہلی فصل

پنجاب کا کسان

پنجاب کی آب و ہوا علی العموم خشک ہے۔ اور گرمی اور سردی دونوں موسم اس صوبے میں اپنی پوری تیزی سے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس صوبے کے باشندے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں

زیادہ تندرست و توانا ہیں۔ جو نہروں اور راجبہے گزشتہ ساٹھ سال کے اندر
اندر طیار ہوئے ہیں۔ انہوں نے صوبے کی ایک تہائی آبادی کو قحط اور
خشک سالی کی مصیبتوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے + پنجاب کی
مزروعہ زمین عام طور پر نہایت زرخیز اور سیرحاصل ہے۔ اور اس میں
گیہوں (جو چاولوں کی نسبت بہت زیادہ مقوی غذا ہے) بافراط پیدا ہوتے
ہیں۔ لیکن پنجاب کی سب سے بڑی اور مبارک خصوصیت یہ ہے۔ کہ
یہاں کے اکثر کسان خود زمین کے مالک ہیں۔ مغربی ممالک میں جنگ عظیم
کے بعد سے یہ تحریک زور پکڑ رہی ہے۔ کہ بڑے بڑے مالکان اراضی
کے بجائے حتی الوسع مالکانِ مزارع پیدا کئے جائیں۔ جو اپنے اپنے حصے
کی زمین میں اپنے ہاتھ سے کاشت کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ملک
کی فلاح و بہبود اور زراعتی ترقی زیادہ تر انہی لوگوں کی محنت پر منحصر ہے
جو اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کرتے ہیں + اگر انہیں تقویت پہنچائی جائے
اور زیادہ محنت اور بے فکری سے اپنی زمین کی پیداوار بڑھانے کا
موقع دیا جائے۔ تو ملک کو بحیثیت مجموعی بے انتہا فائدہ پہنچنے کی امید
ہے۔ یہ مسئلہ پنجاب میں قدرت ہی نے حل کر رکھا ہے۔ کیونکہ بعض چھوٹے
چھوٹے علاقوں کے سوا مالک کاشتکاروں کی تعداد ہر جگہ زیادہ ہے +
اس میں شک نہیں۔ کہ پنجاب کا کسان جاہل ہے۔ اس کے خیالات
میں بلند پروازی نہیں۔ لیکن قحط ہو یا خشک سالی۔ بیماری ہو یا موت۔

ٹاڑی ڈل ہو یا سیلاب آجائے۔ زمین و آسمان کی کوئی آفت اس کی ہمت نہیں توڑ سکتی۔ وہ جس قدر تکلیف اُٹھاتا ہے۔ اُسی قدر اس کے ارادے کی پختگی اور اس کی جسمانی و روحانی جفاکشی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور جب وہ اس قسم کی آفتوں اور قرضوں سے بالکل ہی مجبور ہو جاتا ہے۔ تو پھر وہ اپنے گاؤں کو چھوڑ کر کبھی فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے۔ اور کبھی زندگی کے دوسرے شعبوں میں روٹی کمانے لگتا ہے۔ افریقہ آسٹریلیا۔ امریکہ پنجاب کے کسان کو خوب جانتے ہیں۔ اور چین کی بندرگاہوں پر جا کر دیکھو۔ تو پنجاب کا کسان وہاں بھی چوکی دار۔ پولیس مین۔ تاجر اور دوسری حیثیتوں سے مصروف کار نظر آئے گا+ پنجاب کا کسان اپنے گھر میں غیروں اور اجنبیوں کے لئے بہت مہمان نواز ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اپنے ہمسایوں سے لڑ بھی پڑتا ہے۔ اور لڑائی جھگڑوں کے تصفیہ کے لئے کچہری عدالت میں جانے کا بہت شوقین ہے۔ لیکن اپنے بال بچوں کے حقوق ادا کرنے اور اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے میں کبھی پہلو تہی نہیں کرتا+ اس کی عام حالت وہی ہے۔ جو سردی کے موسم میں دریا کی ہوتی ہے+ وہ زندگی کے میدان میں اپنی محدود سی ہستی کو لے کر نہایت خاموشی سے بہتا چلا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح برسات کے موسم میں دریاؤں کا پانی چڑھ کر کناروں سے بھی اوپر نکل جاتا ہے۔ اسی طرح پنجابی کسان جب بیدار ہوتا ہے۔ اور کسی کام کے کرنے پر آتا ہے۔ تو اس میں اتنی

طاقت اور اتنا خروش پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ پھر کسی طاقت کی پروا نہیں کرتا + یہی وجہ ہے۔ کہ پنجاب کا کسان جہاں فوج میں ایک نہایت بہادر اور نڈر سپاہی ثابت ہوتا ہے۔ وہاں اپنے ملک میں قتل اور ڈاکے کے جرائم کا ارتکاب بھی انتہائی دلیری کے ساتھ کرتا ہے + غرض پنجاب کا کسان نہایت محنتی۔ جفاکش۔ بہادر۔ اور جوشیلا ہے۔ اور ہندوستان کے کسی صوبے کے کسان ان خوبیوں میں اس پر سبقت نہیں لے جا سکتے ×

پنجاب کے کسان کو تین چیزیں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ مذہب۔ خاندان اور زمین + وہ ان تمام تحریکوں کو سخت ناپسند کرتا ہے جن کا ان تین چیزوں پر برا اثر پڑتا ہو۔ ساہوکار اور مہاجن سے اس کی نفرت روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ سود خواروں کی سختیاں اسے دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے محروم کئے دیتی ہیں۔ اور وہ چاہتا ہے۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ اس آفت سے نجات پائے۔ اور سکون و آرام کی زندگی بسر کرے ×

لیکن پنجابی کسان کی جو حالت آج سے دس بیس سال پہلے تھی۔ آج اس سے بہت بڑی حد تک مختلف ہے + جنگ یورپ نے اس کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اس جنگ میں تقریباً پانچ لاکھ پنجابیوں نے فوجی خدمت انجام دی۔ اور ان میں سے زیادہ تر ہندوستان سے باہر رہے + جب ان میں سے ہزارہا واپس آئے۔ تو ان کے لئے نئے نئے خیالات

اور جدید تجربوں نے دیہاتی زندگی میں بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا + اس میں
شک نہیں۔ کہ ظاہری صورت میں کوئی خاص تغیر واقع نہیں ہوا۔ اور کسانوں
کے کچے مکانات اب بھی وہی ہیں۔ جو چند سال پیشتر تھے۔ ان کی زراعتی
مصروفیتیں بھی وہی ہیں۔ جو جنگ سے پہلے تھیں۔ لیکن جنگ کے بعد سے
آزادئی خیالات اور بہتر طرز زندگی کی جو ہوا ساری دنیا میں چل رہی ہے
اس کا اثر پنجاب کے دیہات پر بھی نہایت نمایاں طور سے پڑ رہا ہے +
آج کل جب پنجابی کسان دن بھر کی محنت و مشقت سے فارغ ہو کر گاؤں
کے دروازے یا دائرے میں جمع ہوتے ہیں۔ اور حقہ پیتے ہیں۔ تو فصلوں
مقدموں اور ہمسایوں کے متعلق ہی رائے زنی نہیں کرتے۔ بلکہ دنیا کے اور
معاملات اور ترقی کے بلند خیالات پر بھی گفت و شنید کرتے ہیں + ایک نئی
روح ہر جگہ پیدا ہو رہی ہے۔ اور یہ خواہش ہر مقام پر اپنا جلوہ دکھا رہی ہے
کہ کسی نہ کسی طرح زندگی بسر کرنے کے بہتر طریقے اختیار کئے جائیں۔ اگرچہ
کسان کے لئے بحیثیت مجموعی یہی مفید ہے۔ کہ وہ اپنے باپ دادا کے حالات
ہی پر قناعت کرے۔ اور پرانے زمانے کی معاشری برکتوں سے بہرہ اندوز
ہوتا رہے۔ لیکن جب موجودہ حالات سے بے اطمینانی پھیل چکی ہو۔
زندگی کی ضرورتیں بڑھ چکی ہوں۔ کسان اپنی معاشری حالت کو بہتر بنانے
پر تل گئے ہوں۔ اور حکومت وقت سے روز کا تصادم ہو رہا ہو۔ تو
سمجھ لینا چاہئے۔ کہ اب پرانے طور طریقے کوئی دن کے مہمان ہیں۔ اور ترقی

لازمی و ناگزیر ہے + ایسی حالت میں کسانوں کے خیر خواہوں کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ اُن کے افلاس کی وجوہ دریافت کریں۔ اور پھر ایسے طریقے استعمال کریں۔ جن سے وہ افلاس دور ہو۔ زمین کی آمدنی زیادہ ہو۔ قرضوں سے نجات ملے۔ اور ایسی حالت پیدا ہو جائے۔ کہ کسانوں کو اپنی ضرورتوں کے لئے تدبیر یا رنہ ہونا پڑے + اگر اس قسم کی اصلاح کا اہتمام نہ کیا گیا۔ تو نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ کسان روز بروز غیر مطمئن ہوتے چلے جائیں گے۔ اور ان کی بے اطمینانی آخر میں اُن کے لئے۔ قوم کے لئے۔ حکومت کے لئے۔ غرض سب کے لئے تباہ کن ثابت ہوگی +

وہ زمانہ گزر گیا۔ جب کسان محض "قسمت" پر شاکر تھا۔ اور صرف یہ چاہتا تھا۔ کہ کھانے پہننے کو مل جائے۔ بیٹوں بیٹیوں کی شادیاں ہو جائیں۔ اور زمین پر قبضہ برقرار رہے۔ وہ ان مقاصد کی خاطر سب کچھ گوارا کر لیتا تھا + اگر گاؤں کی صفائی کی حالت خراب تھی۔ تو اسے پروا نہ تھی۔ اگر گاؤں میں یا اس کے قریب کوئی ہسپتال اور سکول نہ تھا۔ تو وہ اس کا بھی کچھ خیال نہ کرتا تھا۔ اگر گاؤں کی گلیاں اور آس پاس کی سڑکیں نہایت ناہموار تھیں اور برسات کے موسم میں بالکل ناقابل گزر ہو جاتی تھیں۔ تو وہ اس کی پروا نہ کرتا تھا۔ اور اگر پروا کرتا بھی تھا۔ تو اپنے آپ میں یہ طاقت نہ پاتا تھا۔ کہ ان نقائص کی اصلاح کر دے + وہ اپنے سارے کام قسمت پر چھوڑ دیا کرتا تھا۔ لیکن اب حالت بہت مختلف ہو چکی ہے۔ اب کسان کو

دنیا بالکل ایک نئی صورت میں نظر آ رہی ہے - اور وہ خوب جان گیا ہے کہ ہر چیز پہ صرف تقدیر کی حکمرانی نہیں ہے - بلکہ دنیا میں اکثر ایسی مصیبتیں بھی ہیں - جو تدبیر سے دور ہو سکتی ہیں - اور اپنی حالت بہتر بنائی جا سکتی ہے صدیوں کا سویا ہوا پنجابی کسان بیداری کی کروٹیں لے رہا ہے - اور اس امر کے آثار صاف نظر آ رہے ہیں - کہ اس کی بیداری صوبے کے آیندہ معاشری - اقتصادی اور سیاسی حالات پر بہت گہرا اثر ڈالے گی :-

گذشتہ چالیس سال سے پنجاب اندرونی بدامنی اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہے - لیکن اس امن کے زمانے میں جو دولت اس کی زمین سے پیدا ہوئی یا باہر سے آئی - اس سے کسان کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا + قانون انتقال اراضی جاری نہیں ہوا تھا - تو اس وقت تک تو یہ حالت تھی - کہ بعض غیر زراعت پیشہ لوگ اپنی دولت کی وجہ سے پنجابی کسان پر بازی لے جاتے - اور اس کو زمین سے محروم کر دیتے تھے - لیکن یہ قانون جاری ہوا - تو زمینیں تو بچ گئیں - لیکن صوبے کی تمام دولت جفاکش کسان کے ہاتھ سے نکل کر ساہوکاروں کے ہاتھ میں جانے لگی + اس قانون کے ساتھ ہی ایک نئی جماعت پیدا ہو گئی - جس کا نام زراعت پیشہ ساہوکار ہے اس پر قانون انتقال اراضی کا بھی کوئی اثر نہیں + زمین کی زرخیزی اور کسانوں کی خوش حالی بڑھ رہی ہے - لیکن اس کے ساتھ ہی قرض بھی برابر بڑھ رہا ہے - اور سود کی شرح بھی انتہا تک پہنچ چکی ہے + امیر آدمیوں

کی بات تو دوسری ہے - لیکن آج کل اگر کسی غریب کسان کو اپنے بیٹے یا بیٹی کی شادی کرنی ہوتی ہے - تو بلا مبالغہ اس شادی پر اس کی کم از کم ایک سال کی آمدنی صرف ہو جاتی ہے - یہ مصارف کی افزونی کا حال ہے - لیکن قرضہ اور سُود کی بلائیں ہیں - کہ ہر وقت کسان کا خون چُوستی رہتی ہیں ؁

نتیجہ یہ ہے - کہ دولت جسے قومی ترقی کی بنیاد بننا چاہئے تھا جتنی بڑھتی جاتی ہے - اتنا ہی صوبہ بحیثیت مجموعی سخت مصیبت و بدحالی کے غار میں گرتا چلا جاتا ہے + قوم کے تمام ذرائع روپے والوں کے قبضے میں چلے جا رہے ہیں + کسانوں اور پیشہ وروں کو اپنے پَیروں پر کھڑا کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کر رہا + ایسی حالت میں صنعتی اور زراعتی ترقی کی امید بالکل لاحاصل ہے + جب تک کسان قرض کے بوجھ کے نیچے سے نہیں نکلے گا - اور بے فکری اور اطمینان سے اپنے کام میں مصروف نہ ہوگا - نہ صوبے کی خوشحالی ترقی کرے گی - اور نہ حکومت کے کاروبار میں سہولت پیدا ہو گی + پنجاب کے بعض اضلاع ایسے ہیں - جن میں دولت کے دفعتہً بڑھ جانے سے خوش حالی اور اطمینان کے بجائے تباہی رونما ہو رہی ہے - اور بعض علاقے ایسے ہیں - جن میں قرض کے ناقابل برداشت بوجھ نے اکثر کسانوں کو حقیقی معنوں میں دیوالیہ بنا رکھا ہے ؁

یہ افسوس ناک حالت قومی اتحاد کے رستے میں بھی بہت بُری طرح

حائل ہو رہی ہے۔ چوں کہ مسلمان اس صوبے میں ۵۶ فی صدی ہیں۔ اس لئے اُن پر قرضہ بھی باعتبار تناسب زیادہ ہے + ظاہر ہے۔ کہ جو شخص سر تا سر قرضے اور افلاس میں غرق ہو۔ وہ ترقی کے رستے پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ اور جو اصول ایک فرد کے بارے میں صحیح ہے وہ پوری قوم پر بھی یکساں عاید ہوتا ہے + اس لئے مسلمان جب تک اس قرضے سے نجات حاصل نہ کریں گے۔ وہ بحیثیت قوم ہرگز اُبھر نہیں سکتے۔ اور چوں کہ مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کے مقروض ہیں۔ اس لئے ہندوؤں اور مسلمانوں اور سکھوں میں برادرانہ تعلقات پیدا نہیں ہوتے ہیں + کسی قومی تحریک کے طوفان میں "اتحاد" "اتحاد" کا جو شور مچایا جاتا ہے۔ وہ بلاشبہ حقیقی اتحاد کا مظہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرض خواہ اور مقروض کے درمیان اصلی اتحاد کیوں کر ہو سکتا ہے؟ یہ کیوں کر ممکن ہے۔ کہ ان قوموں کے درمیان وہ اتحاد پیدا ہو۔ جو قومیت کی روح اور سوراج کی بنیاد ہے + یہی مخصوص حالات ہیں۔ جن کی وجہ سے سارے ہندوستان میں پنجاب ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات کا مرکز بنا ہوا ہے +

ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات سے قطع نظر کر کے دیکھو۔ تو پھر بھی پنجاب کے تمام کاشتکاروں (سکھ۔ ہندو۔ مسلمان) کی بہتری اور

خوش حالی اسی پر منحصر ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح انہیں قرضے سے نجات
دلائی جائے۔ اور ساہوکاروں کو ان کے زر پرستانہ مشاغل سے روکا
جائے۔ اگر یہ نہ کیا گیا۔ تو مسلمان سکھ اور ہندو کاشتکار سبھی مصیبت
اُٹھائیں گے۔ اور ان کی مصیبت سارے صوبے کی مصیبت ہو گی۔

دوسری فصل

پنجابی کسان کے قرضے کے اسباب

ہندوستان بھر میں یہ چرچا ہو رہا ہے۔ کہ پنجاب کی زمین بہت زیادہ زرخیز اور اس کے کسان بہت زیادہ خوش حال ہیں اور سچ یہ ہے۔ کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ آج سے ساٹھ ستر برس پیشتر کی حالت تو جو کچھ ہوگی۔ وہ ہوگی + لیکن آج کل پنجاب کے جنوبی و مغربی اضلاع کے سوا باقی سارے صوبے کے کسان اپنے بزرگوں کی بہ نسبت بہت اچھی حالت میں ہیں۔ خصوصاً وسطی اضلاع اور نہری نوآبادیوں کے کاشتکار بہت ہی خوش حال ہیں۔ کھانے کپڑے اور مکان کے اعتبار سے کاشتکاروں کی حالت میں بہت نمایاں ترقی ہو رہی ہے تعیش کی جو چیزیں پہلے قصبوں اور شہروں تک ہی محدود تھیں آج کل دیہات

میں بھی نظر آ رہی ہیں۔ اب رفتہ رفتہ گاڑھے اور گزی کی جگہ ململ اور لٹھے
کا دور دورہ ہو رہا ہے۔ اور کسانوں کی بیبیاں آہستہ آہستہ چاندی کا زیور
اتار کر سونے کا پہننے لگی ہیں۔ جو کسان گزشتہ زمانے میں پیادہ پا پچاس
پچاس میل کا دھاوا کیا کرتا تھا۔ اب پانچ سات میل کے سفر کے لئے
بھی ٹمٹم یا تانگہ تلاش کرتا ہے۔ ان آسائشوں کے باوجود اس میں شبہ
نہیں کہ کاشتکار کی محنت پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اور
کاشت نے صوبے کی آبادی سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ ترقی کی
ہے۔ ١٨٦٨ء سے اب تک صوبے کی آبادی میں تو صرف بائیس فی
صدی کا اضافہ ہوا ہے۔ لیکن کاشت پچاس فی صدی بڑھ گئی ہے۔
تقریباً بیس ہزار میل لمبی نہریں جاری ہو جانے کے باعث قحط کے
خطرات معدوم ہو چکے ہیں۔ اور گو مویشی اب بھی بہت زیادہ نذر اجل ہوتے
ہیں۔ لیکن کسانوں کی جانیں بہت بڑی حد تک محفوظ ہو چکی ہیں۔ نہروں
کی توسیع سے غلے اور دیگر پیداواروں کی تجارت میں بھی بے انتہا
ترقی ہوئی ہے۔ ١٨٦٢ء میں پنجاب کے کاشتکار اپنے مصارف کے
بعد جو غلہ بچاتے تھے۔ اس سے صرف چار لاکھ روپیہ وصول ہوتا
تھا۔ لیکن ١٩١٨ء میں یہی رقم چوبیس کروڑ تک پہنچ گئی۔ آج سے
پچاس سال پیشتر پنجاب کی سرزمین سے صرف تینتیس کروڑ کی مالیت
کی پیداوار ہوتی تھی۔ لیکن آج کم و بیش ایک ارب بیس کروڑ کی مالیت

کی اشیا پیدا کی جا رہی ہیں۔ صرف نہری نوآبادیوں کی پیداوار تئیس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ ہر سال کروڑوں روپے کی چاندی اور سونا دیہات میں خریدا جا رہا ہے۔ اور جنگ عظیم کے آخری تین سال کی مدت میں یہ رقم اکیس کروڑ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ سب سے زیادہ اہم تغیر یہ ہے۔ کہ زمین کی قیمت بے انتہا بڑھ گئی ہے۔ جو زمین سنہ ۱۸۶۶ء میں دس روپے فی ایکڑ کے حساب سے فروخت ہوتی تھی۔ آج دو سو روپے ایکڑ کے حساب سے بھی نہیں ملتی۔ اور بعض نہری علاقوں میں تو چھ سو روپے ایکڑ سے بھی زیادہ قیمت پا رہی ہے۔

تم متعجب ہو گے۔ کہ اس فصل کا عنوان تو ہے "پنجابی کسان کے قرضے کے اسباب" اور بیان کیا جا رہا ہے خوش حالی کا افسانہ۔ تو ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ خوش حالی بھی قرضے کی افزونی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو۔ کہ ہر شخص کو اس کی ساکھ کے مطابق قرض ملتا ہے۔ جو شخص کوئی جائداد غیر منقولہ یا منقولہ نہ رکھتا ہو یا جس کی ذاتی ساکھ کم ہو۔ اسے کوئی دانش مند ساہوکار ایک روپیہ بھی قرض دینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ لیکن جن لوگوں کے پاس کافی جائداد موجود ہے۔ انہیں ہزاروں روپے آسانی سے مل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جوں جوں کاشتکار خوش حال ہوتے گئے۔ اور اپنی

ضرورتوں کو بڑھاتے چلے گئے۔ انہیں ان کی ساکھ میں اضافہ ہونے
کے باعث آسانی سے قرض بھی ملتا گیا+جب سے اس صوبے پر حکومت
انگریزی کا تسلط ہوا ہے۔ اس وقت سے آج تک کے حالات کو ذرا
غور سے دیکھا جائے۔ تو صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ قرض غریبی کی حالت
میں بہت کم پھولتا پھلتا ہے+ اس کی ترقی دولت کی ترقی کے ساتھ
وابستہ ہے+حکومت انگریزی کے آنے سے پہلے کسان کے پاس
روپیہ بہت کم ہوتا تھا۔ وہ اپنی پیداوار جلاہوں۔ موچیوں۔ درزیوں
نائیوں اور دوسرے پیشہ وروں کو دے کر ان سے کپڑا۔ جوتا اور دیگر
ضروریات زندگی لے لیتا تھا۔ اور ساہوکار کے پاس جانے کی بہت
کم نوبت آتی تھی+لیکن جب روپے کا مبادلہ عام ہو گیا۔ تو ادھر زمین
کی قیمت میں اضافہ ہونے لگا۔ اور اُدھر مہاجن نے اپنے خزانے
کا منہ کھول دیا۔ جب روپیہ بھی کافی موجود ہو۔ اور ساکھ بھی بڑھ جائے
تو پھر کس کا جی نہیں چاہتا۔ کہ قرض لے کر اپنی ضروریات پوری کرلے
چنانچہ کسان نے دھڑا دھڑ قرض لینا شروع کر دیا۔ اور جوں جوں
سڑکیں بننے لگیں۔ ٹرینیں چلنے لگیں۔ زمین کی پیداوار کو فروخت
کرنے کے لئے نئی نئی منڈیاں کھل گئیں۔ اشیائے ضروری گراں ہونے
لگیں۔ تو کاشتکار کو اپنی ضرورت کی پیداوار محفوظ رکھ لینے کے بعد
بہت سی پیداوار کی بچت ہونے لگی۔ اور اس کی ساکھ پر مہاجنوں نے

اسے زیادہ قرض دینا شروع کیا+ کسان نے بھی بے فکری سے قرض لینا
شروع کر دیا۔ اگر کوئی بیل مر گیا۔ تو فوراً قرض لے کر نیا خرید لیا۔ اگر بیٹے
بیٹی کی شادی پر ضرورت پڑی۔ تو قرض لے کر دریا دلی سے صرف کر دیا
اور جب تک ساکھ باقی رہی۔ برابر قرض لیتا رہا+ مسٹر تھوربرن نے اپنی مشہور
کتاب "پنجاب کے مسلمان اور ساہوکار" میں لکھا ہے۔ کہ سنہ ۱۸۴۹-۵۰ء میں
ہم نے مجموعی اور مشترک ملکیت کو منسوخ کر کے اس کی جگہ انفرادی
ملکیت کا اصول قائم کیا۔ اور ہر مالک اراضی کو یہ حق دے دیا۔ کہ وہ
جب چاہے۔ اپنی زمین کو دوسرے کے نام منتقل یا فروخت بھی کر
سکتا ہے+ اس طرح گویا ہم نے کاشتکار کی ساکھ کو بے انتہا بڑھا
دیا+ پہلے تو مہاجن فصل کی پیداوار کے بقایا کی ساکھ پر قرض دیا کرتا
تھا۔ اب زمین کی قیمت کی ساکھ پر دینے لگا۔ پہلے وہ چند روپے دے
کر فصل پر وصول کر لیا کرتا تھا۔ لیکن اب چونکہ زمین پر اس کی نظر تھی۔
اس لئے وہ غیر محدود رقم دینے پر آمادہ ہو گیا۔ اور کسان بھی یہ دیکھ کر
باغ باغ ہو گیا۔ کہ اب میری ساکھ بے انتہا بڑھ گئی ہے۔ اور میں جتنا
روپیہ چاہوں۔ اپنے مہاجن سے آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتا ہوں"
مسٹر ڈارلنگ اپنی کتاب "پنجابی کسان" میں لکھتے ہیں۔ کہ کسی زمانے
میں جھنگ کے ضلع میں متعدد ایسے گاؤں تھے۔ جن میں ایک ایکڑ
زمین بھی رہن نہ کی گئی تھی۔ کیونکہ فصلوں کا ہونا یقینی نہ تھا۔ باشندے

خانہ بدوش رہتے تھے - اور اسی وجہ سے ساکھ بہت کمزور تھی + ضلع لودھیانہ
میں جو زمینیں زیادہ زرخیز نہیں ہیں - یا جن میں آب پاشی کا انتظام معقول
نہیں - اُن میں بہتر اور عمدہ دیہات کی نسبت بہت کم کسان مقروض ہیں +
ضلع مظفر گڑھ سارے صوبے میں سب سے زیادہ مقروض ضلع ہے لیکن
اس کے بھی غریب و نادار کسان قرض کی مصیبت سے بالکل محفوظ ہیں -
کیونکہ ساکھ نہیں رکھتے + موضع بسیرہ کے پاس دو گاؤں ایک دوسرے
کے متصل واقع ہیں - جن میں بے شمار بلوچی رہتے ہیں - اور ان کی ملکیت
کی اوسط نصف ایکڑ فی کس ہے + دونوں موضعوں میں زمین بالکل ایک
ہی قسم کی ہے لیکن آب پاشی کے انتظام میں بہت بڑا فرق ہے + جس
گاؤں میں یہ انتظام نہیں - اس میں مفلسی تو ہے - لیکن قرضے اور رہن کا
نام ونشان تک نہیں - لیکن جس گاؤں کو نہر کا پانی سیراب کرتا ہے -
اس کی ساری زمین مدت دراز سے رہن چلی آتی ہے - اور جن لوگوں کے
ہاتھوں میں رہن ہے - وہ اکثر زمین کی ساری پیداوار خود ہتھیا لیتے ہیں
اور بعض اوقات اس کے نام نہاد مالکوں کی محتاجی اور تہی دستی سے
فائدہ اٹھا کر ان سے من مانی خدمات بھی لیتے ہیں ٭

اس امر کے ثبوت میں کہ قرضہ ساکھ کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے -
ایک اور روشن دلیل بھی سن لو + پچھلے تیس سال میں کاشتکاروں کے
قرضے کی یہ صورت رہی ہے - کہ پہلے دس سال میں بہت تیزی سے بڑھتا

گیا۔ دوسرے دس سال میں بہت کم بڑھا اور تیسرے دس سال کے دوران میں بہت ہی زیادہ بڑھ گیا۔ سنہ ۱۸۹۳ء سے سنہ ۱۹۰۲ء تک کاشتکاروں کے قرضے میں سولہ کروڑ کا اضافہ ہوا۔ کیونکہ ساکھ اچھی خاصی تھی لیکن جب سنہ ۱۹۰۱ء میں قانون انتقال اراضی نافذ ہوا۔ تو پیشہ ور مہاجن کاشتکار کی زمین پر قبضہ کرنے سے عاجز ہو گیا + نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس نے کسانوں کو قرضہ دینے کا کام بہت محدود کر دیا۔ اور صرف اس قدر رقم دیتا رہا۔ جو فصل کے موقع پر پیداوار سے وصول کی جا سکے + اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ سنہ ۱۹۰۲ء سے سنہ ۱۹۱۲ء تک کاشتکاروں کا قرضہ صرف بقدر نو کروڑ کے بڑھا۔ لیکن اس کے بعد ایک تو زمینداروں کی خوشحالی روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ دوسرے ایک نئی جماعت پیدا ہو گئی۔ جو زراعت پیشہ ساہوکاروں پر مشتمل تھی۔ اور ان پر قانون انتقال اراضی کا کوئی اثر نہ تھا + چونکہ یہ لوگ کاشتکار کی زمین بھی حاصل کرنے کے مجاز تھے۔ لہذا ان کے نزدیک کاشتکاروں کی ساکھ بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۲ء سے سنہ ۱۹۲۲ء تک کاشتکاروں کے قرضے میں تیس کروڑ اضافہ ہو گیا + پنجاب کی تاریخ میں کوئی ایسے دس سال نہیں گزرے جنہیں کاشتکاروں پر اتنا قرض ہو گیا ہو۔ اور سچ یہ ہے۔ کہ خوش حالی کے اضافے کے اعتبار سے بھی یہ دس سال اپنی نظیر نہیں رکھتے +

اس بیان سے تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ خوش حالی بھی قرضے

کی افزونی کا ایک باعث ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے کسان میں قرضہ
حاصل کرنے کی قابلیت بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ اس ترغیب کے جال
میں بہت آسانی کے ساتھ پھنس جاتا ہے + دوسری وجہ پیداوار کی گرانی
ہے۔ لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اگر زمین کی پیداوار گراں ہو۔ تو
کسان سب سے زیادہ فائدے میں رہتا ہے۔ کیونکہ اسے اپنی پیداوار
کی کافی قیمت مل جاتی ہے لیکن لوگوں کا یہ خیال اسی حالت میں درست
ہے۔ کہ کسان کو فروخت زیادہ کرنی پڑے اور خرید کم۔ لیکن اگر اسے اپنی
ضروریات زیادہ خریدنی پڑیں۔ اور فروخت کے لئے اس کے پاس مال
کم ہو۔ تو پھر ظاہر ہے۔ کہ اسے کوئی نفع نہیں ہو سکتا پنجاب میں جس شخص
کے پاس بیس تیس ایکڑ زمین ہو۔ اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔
اور ضرورتیں کم۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اتنی یا اس سے زیادہ زمین رکھنے والے
کسان گرانی اشیا سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بشرطیکہ زمین نہری یا چاہی
ہو۔ اور فصل کی عمدگی یقینی ہو + لیکن جو شخص صرف پانچ چھ ایکڑ کا مالک
ہو۔ اسے تو گرانی اشیا رحمت نہیں بلکہ زحمت بن کر چمٹ جاتی ہے + اگر
کبھی اچھی فصل ہو گئی۔ تو اپنا بھی سال آرام سے گزر گیا۔ اور کچھ غلہ بھی
فروخت ہو گیا۔ لیکن اگر فصل کی عمدگی میں کوئی فرق پڑ گیا۔ تو کسان کو
اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے خود غلہ خریدنا پڑتا ہے۔
اور چونکہ بڑے کسان کم ہیں اور چھوٹے زیادہ۔ اس لئے گرانی اشیا کا

مہلک اثر زیادہ تعداد پر پڑتا ہے۔ اور وہ اپنے گزارے کے لئے مہاجن
کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ گویا زمین کی پیداوار کی گرانی بھی قرضے کی
افزونی کا ایک باعث ہے۔

تم پڑھ چکے ہو۔ کہ چھوٹے کاشتکاروں کے لئے گرانی اشیا ایک
لعنت ہے۔ اور بڑوں کے لئے باعث رحمت۔ لیکن اب بڑوں کا
حال بھی سن لو۔ انسان جتنا ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ گاؤں اور شہر کے
درمیان آمدورفت اور رشتہ داری کے تعلقات بڑھتے چلے جاتے ہیں
یہی وجہ ہے۔ کہ بہت سے خوش حال کاشتکاروں نے دیہات میں اپنا
طرز زندگی بہت کچھ بدل لیا ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں بھی ترقی
ہو رہی ہے۔ کھدر کی جگہ ململ اور لٹھے کے کپڑے پہنے جا رہے ہیں۔ کچے
مکانوں کے بجائے پکی عمارتیں بن رہی ہیں۔ جنگ یورپ میں دیہات
کے جو لوگ بھرتی ہو کر فرانس اور دوسرے مہذب ممالک میں گئے۔ وہ
ان ملکوں سے تکلف اور تعیش کی زندگی بسر کرنا سیکھ آئے۔ پہلے ہمارے
دیہات میں چائے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ اب بہت سے دیہاتی صبح
کو باقاعدہ چائے پیتے ہیں۔ اُن کی عورتیں بھی شہر کی خواتین کا فیشن
اختیار کر رہی ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ فوجی خدمت کر کے بہت سا روپیہ
کما لائے۔ دوسری طرف نہری نوآبادیوں میں دولت کی ریل پیل ہونے
لگی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تکلفات بڑھنے لگے۔ اور مصارف زیادہ ہو گئے۔ نتیجہ

خوش حال زمینداروں کے لئے تو ان تکلفات کا اختیار کرنا مشکل نہ تھا۔ کیونکہ ان کی آمدنی زیادہ تھی۔ لیکن دیہات میں ایک دوسرے کی نقل اور باہمی مسابقت کا جذبہ فطرتاً بہت تیز ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ چھوٹے کاشتکاروں نے بھی آہستہ آہستہ بڑوں کی نقل شروع کر دی۔ اور اپنے گھروں میں بھی اسی قسم کے تکلفات پیدا کرنے لگے۔ آمدنی تو کافی تھی نہیں۔ ناچار حوصلہ مندی کے ساتھ قرض لینا پڑا۔ تاکہ تکلفات مہیا ہو جائیں۔ اور ہم چشموں میں شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔ جب چند سال انہی تکلفات میں گزر گئے۔ تو پھر یہی تکلفات ضروریات زندگی میں شامل ہو گئے۔ اور ان کا نباہنا لازمی ہو گیا۔ زمین کی آمدنی تو اتفاقی چیز ہے۔ کسی سال فصل عمدہ ہو گئی۔ تو لہر بہر نظر آنے لگی۔ اور اگر خدانخواستہ کسی بلائے آسمانی نے آلیا۔ تو کھانے پینے کے بھی لالے پڑ گئے۔ لیکن وہ تکلفات جو اب ضروریات زندگی میں شامل ہو چکے ہیں۔ ترک نہیں کئے جا سکتے۔ وہ تو اب قیامت تک کے لئے گلے کا ہار ہو گئے۔ اور اگر کہیں تجارت کے اتار چڑھاؤ میں آکر غلے کی قیمت گر گئی۔ تو غریب کسان اور بھی مر لئے۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ طرز زندگی میں ترقی بھی ازدیاد قرضہ کا ایک باعث ہے۔

قرض کا ایک بہت بڑا باعث مقدمہ بازی ہے۔ زن۔ زر اور زمین ایسی چیزیں ہیں۔ کہ ان کے متعلق روز ازل سے انسانوں کے

درمیان جھگڑے چلے آرہے ہیں۔ اور ابد تک چلے جائیں گے۔ پُرانے زمانے میں یہ صورت تھی۔ کہ اس قسم کے تمام نزاعات گاؤں کی پنچایت میں پیش ہوتے تھے۔ اور پنچ جو کچھ فیصلہ کر دیتے تھے۔ وہ فریقین کو ماننا پڑتا تھا۔ کیونکہ برادری کی مجموعی طاقت پنچوں کی پشت پر تھی۔ اور جو شخص اُن کے فیصلوں کو تسلیم نہ کرتا تھا۔ وہ برادری سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ اور چند ہی روز میں اس پر زندگی اجیرن ہو جاتی تھی + لیکن جب تہذیب نے ترقی کی۔ اور جا بجا عدالتیں کھل گئیں۔ تو یہ تمام نزاعات ان میں پیش ہونے لگے۔ اب یہ حالت ہے۔ کہ جب کسی کاشتکار کو اپنے کسی ہمسائے کے خلاف کوئی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو وہ سیدھا تحصیل یا منصفی کا رخ کرتا ہے۔ اس کی جہالت کی وجہ سے وکیل۔ وکیلوں کے منشی۔ عدالت کے ملازم چپراسی۔ اردلی غرض بیشمار مطلب پرست لوگ اس سے روپیہ بٹورتے ہیں۔ اگر چھوٹی عدالت میں خاطر خواہ فیصلہ نہیں ہوتا۔ تو وہ داد خواہ ضلع کی کچہری میں اور اس کے بعد ہائیکورٹ میں جا پہنچتا ہے۔ عدالتوں کے عجیب و غریب مصارف۔ وکیلوں کے محنتانے۔ منشیوں اور مسل خوانوں کی رشوتیں۔ ریل اور تانگے کے کرائے اس غریب کے ہزار ہا روپوں پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ اور پھر بھی یا قسمت یا نصیب مقدموں کا تو یہی حال ہے۔ کہ جو جیتا وہ ہارا اور جو ہارا وہ مرا۔ فتح ہو یا شکست

دونوں صورتوں میں اس کا مقروض و بدحال ہونا ضروری ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ بعض کاشتکار مقدمات کے بعد ایسے بدحال ہوئے۔ کہ گاؤں چھوڑ کر نکل گئے۔ کسی شہر میں جا کر مزدوری کی۔ اور جو کچھ تھوڑی بہت بازیافت ہوئی۔ اس میں سے اپنا اور بال بچوں کا پیٹ بھی پالا۔ اور ساہوکار کی قسط بھی ادا کی۔ غرض ساری عمر اسی چکر میں تمام ہو گئی ؏

شادی بیاہ اور دوسری رسوم کے مصارف بھی پہلے سے بہت زیادہ بڑھ چکے ہیں۔ اگرچہ تعلیم اور اصلاح معاشرت کے خیالات بہت پھیل رہے ہیں۔ اور رنڈیوں کے ناچ اور آتش بازی کے خلاف بہت نفرت پیدا کی جا رہی ہے۔ لیکن مرکزی پنجاب اور دوسرے خوشحال اضلاع میں جہاں قرض بہت زیادہ ہے۔ اور عورتیں کم ہیں۔ وہاں بعض اوقات دلھن روپیہ دے کر خریدنی پڑتی ہے۔ اور اس کے علاوہ اشیائے ضروری کی گرانی نے مصارف بہت بڑھا دیئے ہیں۔ برات کا کھانا بھی پرتکلف چاہئے۔ شادی میں کپڑا بھی اچھا ہو۔ چاندی کے زیوروں کا زمانہ گزر گیا۔ اب ایک دو سونے کے عدد بھی چاہئیں۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ آج سے پچاس سال پہلے جو شادی سو ڈیڑھ سو روپے میں ہو جاتی تھی۔ اب اس پر کم از کم پانسو روپے کی رقم صرف ہوتی ہے۔ اور بعض حالات میں ہزاروں تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس وقت بھی دیہات میں ایسے سن رسیدہ لوگ موجود ہیں۔ جو خوش حال

خاندانوں سے ہیں۔ اور بیان کرتے ہیں۔ کہ ان کی شادی پر جو کچھ صرف ہوا تھا۔ آج اس سے تگنا اور چوگنا روپیہ صرف کر کے بھی گزارہ نہیں ہوتا۔ ایک بڈھے نے بیان کیا۔ کہ میری شادی پر چار سو روپے کی رقم صرف ہوئی تھی۔ لیکن میں نے اپنے لڑکے کے بیاہ پر ساڑھے تین ہزار روپیہ خرچ کیا ہے۔ آج کل خوش حال کاشتکاروں میں دو تین ہزار روپیہ ایک شادی کا معمولی خرچ سمجھا جاتا ہے۔ برات کے کھانے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ بڑی رقمیں دو ہیں۔ ایک زیور۔ دوسرے دُلھن کی قیمت۔ آج سے ساٹھ ستر سال پہلے جٹ کا ایک جاٹ پچاس روپے میں دُلھن خرید سکتا تھا۔ لیکن آج یہ حالت ہے۔ کہ اگر ہزار میں بھی مل جائے۔ تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہے۔ مسلمانوں میں تو خیر ایک وقت کے کھانے ہی کا دستور ہے۔ لیکن سکھوں میں دو دو تین تین دن تک براتیں ٹھہرائی جاتی ہیں۔ اور ان کے کھانے پینے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مصارف پر سینکڑوں روپے کی رقم اُٹھ جاتی ہے۔ امیر اور خوش حال زمینداروں کا ذکر کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں۔ لیکن واقعات اور اعداد سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ ایک عام اور معمولی کاشتکار کو شادی کے موقع پر کم از کم اپنی ایک سال کی کمائی ضرور صرف کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ رقم بھی زیادہ تر مہاجن ہی کے ہاں سے آتی ہے ؂

دوسری زمینی اور آسمانی بلاؤں کے علاوہ جن کا خطرہ ہر وقت کسان کے لئے وبالِ جان بنا رہتا ہے۔ ایک آفت مواشی کی ہلاکت بھی ہے + بیچارا کسان نہایت بے فکری سے اپنی زمین کی کاشت میں مصروف ہوتا ہے۔ موسم کی عمدگی اسے فصل کی کامیابی کا یقین دلاتی ہے۔ نہر یا کنویں کا پانی اس کی زمین کو برابر سیراب کرتا رہتا ہے۔ لیکن اچانک اس کے جانوروں میں بیماری پھیلتی ہے۔ اور چند بیل مر جاتے ہیں + یہ ناگہانی آفت بعض اوقات نہایت ناقابل برداشت ثابت ہوتی ہے + وہ غریب بھاگا ہوا مہاجن کے پاس جاتا ہے۔ نئے بیل خریدتا ہے۔ اور جب فصل پک کر طیار ہوتی ہے۔ تو دوسرے حق داروں کو دینے دلانے کے بعد جو کچھ بچتا ہے۔ وہ مہاجن کے نیگ لگ جاتا ہے۔ اور بدنصیب کسان کو پھر نئے سرے سے اپنے گزارے کے لئے قرض لینا پڑتا ہے +

قرضہ بڑھ جانے کی ان سب وجوہ سے بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ کسان کی جہالت اور ضرورت مندی نے اسے ساہوکاروں کا دست نگر بنا رکھا ہے + اور ظاہر ہے۔ کہ جو شخص روپے کا لین دین کرتا ہے۔ اسے اپنے ہی فائدے کا زیادہ خیال ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ قرض دیتے وقت صرف کسان کی ساکھ کو دیکھتا ہے۔ وہ یہ کیوں تحقیق کرتا پھرے کہ کسان کی ضرورت معقول بھی ہے یا نہیں۔ اور اسے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت

بھی نہیں ہے۔ اُسے ہر دُنیادار کی طرح اپنے فائدے سے کام ہے۔ کسان اس سے قرض لے کر پوری کی پوری رقم کنوئیں میں بھی پھینک دے۔ تو اس کی بلا سے۔ اس کو تو یہ یقین ہونا چاہئیے۔ کہ اصل زرمع سود کسی نہ کسی وقت کسی نہ کسی صورت میں وصول ہو جائیگا۔

پنجاب میں ساہوکارے کا کام کس طرح ہوتا ہے۔ اس کا مفصل حال تو کسی آئندہ فصل میں بیان کیا جائے گا۔ یہاں ہمیں صرف یہ بتانا منظور ہے۔ کہ جس ساہوکار کی نیت خراب ہوتی ہے۔ وہ کاشتکار کو قرض دیتے وقت ہی کچھ رقم "چلکانے" یا کسی اَور بہانے سے وضع کرلیتا ہے + سو روپے کی رقم پر اس کا انگوٹھا ثبت کرالیتا ہے۔ لیکن اس کی جھولی میں نوّے روپے ڈالتا ہے۔ پھر اس پر بارہ اٹھارہ فی صدی سالانہ سے لے کر دو سو تین سو فی صدی سالانہ تک سود اور پھر سود در سود بڑھاتا چلا جاتا ہے + کاشتکار جو قسطیں ادا کرتا ہے۔ انکی رسیدیں بھی اُسے نہیں دیتا۔ اور ان سب سختیوں کے علاوہ ہر فصل کے موقع پر ساری نقدی یا پیداوار اس سے ہتھیا لیتا ہے + اگر قرضے کی قسط اس طرح وصول نہ کرنی ہو۔ تو پھر دباؤ ڈال کر اس سے نہایت سستا غلّہ خریدتا ہے۔ اور بازار کے بھاؤ بیچ کر زیادہ فائدہ حاصل کرلیتا ہے۔ غرض کسان کو مالی اعتبار سے اس قدر کمزور کر دیتا ہے۔ کہ اس کی زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صوبے کے کاشتکاروں کا قرضہ روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اس میں تخفیف

کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ؛

اس تمام بحث سے یہ معلوم ہوا۔ کہ پنجابی کسانوں کے قرض کے اسباب حسب ذیل ہیں:-

اوّل۔ کاشتکاروں کی خوشحالی اور اُن کا اسراف جتنی کسان کی ساکھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اتنا ہی قرضہ اضاعف ہوتا چلا جاتا ہے ؛

دوم۔ پیداوار کی گرانی ؛

سوم۔ کسان کے طرز زندگی میں زمانۂ حال کی ترقیات کا اضافہ ؛

چہارم۔ زر۔ زن اور زمین کے جھگڑوں میں مقدمہ بازی ؛

پنجم۔ شادی بیاہ اور دوسری رسوم کے مصارف ؛

ششم۔ مواشی کی ہلاکت ؛

ہفتم۔ مہاجنوں کے سُود کی گرانباری اور ان میں سے بعض کی چالبازیاں

ان وجوہ کے علاوہ افزونیٔ قرضہ کے اَور اسباب بھی ہیں۔ مثلاً بارانی علاقوں میں فصلوں کی غیر یقینی حالت۔ نہری علاقوں کی خوشحالی سے میخواری اور عیش و عشرت میں اضافہ۔ سرکاری مالیہ کی اٹل آفت۔ اصول وراثت کی وجہ سے زمین کا چھوٹے چھوٹے بے سُود حصوں میں تقسیم ہو جانا اور اسی قسم کے دوسرے اسباب بھی قرضے کو بڑھاتے ہیں لیکن حالات و اعداد سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ بڑے بڑے اسباب وہی سات ہیں۔ جو اُوپر بیان کئے جا چکے ہیں ؛

آیندہ فصل میں اعداد و شمار سے یہ بتایا جائے گا۔ کہ اس وقت صوبہ پنجاب کے کاشتکاروں پر مجموعی قرض کس قدر ہے۔ تاکہ ہمیں یہ غور کرنے کا موقع ملے۔ کہ اس قدر خوفناک قرض کے اتارنے کی کیا تدابیر ہو سکتی ہیں۔ اور کسانوں کو کیا طریق اختیار کرنا چاہئے۔ جس سے انہیں اس بظاہر لاعلاج مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہو۔

تیسری فصل

پنجابی کسانوں کے قرضے کی مقدار

اگرچہ صوبے بھر کے تمام کسانوں کے قرضے کے اعداد و شمار فراہم کرنا بے انتہا مشکل کام ہے۔ اور اس کے لئے سالہا سال کی محنت شاقہ۔ وسیع سفر و سیاحت اور بہترین ذرائع معلومات کی ضرورت ہے۔ لیکن اہل صوبہ کو مسٹر ایم۔ ایل ڈارلنگ کا شکر گزار ہونا چاہئیے۔ کہ آپ نے دوسرے سرکاری افسروں کی طرح پنجاب میں رہ کر صرف ملازمت ہی کے فرائض کو مدنظر نہیں رکھا۔ بلکہ ایک نہایت عزیز الوجود کتاب لکھ کر پنجاب کے باشندوں اور ان کی آئندہ نسلوں پر احسان کیا + چونکہ آپ پنجاب کے ان عہدوں پر سرفراز رہ چکے ہیں۔ جن کا تعلق زراعت و اقتصاد سے ہے۔ اس لئے ہم آپ کے بیانات پر

اعتماد کرکے آپ ہی کے مہیا کردہ اعداد و شمار تمہاری معلومات کے اضافہ کے لئے پیش کرنا چاہتے ہیں ؛

واضح رہنا چاہیئے۔ کہ پنجاب میں کاشتکاروں کی چار قسمیں ہیں۔ بڑے مالکان اراضی۔ چھوٹے مالکان اراضی۔ موروثی مزارع اور عارضی مزارع۔

۱۔ بڑے مالکان اراضی ہیں وہ تمام لوگ شمار کئے جاتے ہیں۔ جو صوبے کی اوسط ملکیت فی کس یعنی آٹھ ایکڑ سے زیادہ زمین پر حق ملکیت رکھتے ہیں ؛

۲۔ چھوٹے مالکان اراضی وہ ہیں۔ جن کے پاس آٹھ یا اس سے کم ایکڑ زمین موجود ہے۔

۳۔ موروثی مزارع وہ ہیں۔ جو اپنے آبا و اجداد کے وقت سے مالکوں کو لگان دیتے چلے آ رہے ہیں۔ اور زمین کی کاشت کا مستقل حق رکھتے ہیں ؛

۴۔ عارضی مزارع وہ ہیں۔ جو اپنی مرضی سے جب چاہتے ہیں کسی کی زمین کاشت کرنے کے لئے لے لیتے ہیں۔ اور مالک کو نقد یا جنس کی صورت میں ایک خاص رقم فی ایکڑ ادا کرتے ہیں ؛

ہم گذشتہ فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ کہ جس شخص کی ساکھ زیادہ ہو اس کا قرضہ بھی زیادہ ہوا کرتا ہے۔ یہی قاعدہ ان چار قسم کے کاشتکاروں پر صادق آتا ہے ؛

(۱) بڑے مالکوں میں سے ۲۵۸۴۰ مالکوں کے متعلق اعداد و شمار طیار کئے گئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان میں سے اٹھارہ فی صدی قرض سے آزاد ہیں۔ ہر شخص پر بحساب اوسط ۵۷۰ روپے قرض ہے۔ گویا وہ جتنا مالیہ ادا کرتے ہیں۔ اس سے دس گنا قرضہ ان کے ذمے ہے۔

(۲) چھوٹے مالکوں میں سے ۱۷۱۸۰ کے حالات کا اندازہ کیا گیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان میں سے سترہ فی صدی قرض سے آزاد ہیں۔ ہر شخص پر بحساب اوسط ۱۳۱۰ روپے قرض ہے۔ گویا وہ جتنا مالیہ ادا کرتے ہیں ان سے ستائیس گنا قرضہ ان کے ذمے ہے۔ (دونوں قسم کے مالکوں پر جو قرضہ ہے۔ اس میں سے چالیس فی صدی کے لئے جائداد میں رہن ہیں)۔

(۳) موروثی مزارعین کا یہ حال ہے۔ کہ ان میں سے بیس فی صدی قرض سے آزاد ہیں۔ ہر شخص پر بحساب اوسط ۲۹۰ روپے قرض ہے۔ اور کل قرض میں سے پچیس فی صدی کے لئے جائداد رہن رکھی گئی ہے۔

(۴) عام اور عارضی مزارعین میں سے بائیس فی صدی قرض سے آزاد ہیں۔ اور باقی اشخاص پر بحساب اوسط ۱۳۵ روپے فی کس قرض ہے۔ گویا چاروں قسم کے کاشتکاروں کا اوسط قرضہ فی کس یوں ہے:-

بڑے مالکان اراضی	۵۷۰ روپیہ فی کس

چھوٹے مالکان اراضی ۱۳۰ روپیہ فی کس
موروثی مزارعین ۲۶۰ " "
عارضی مزارعین ۱۳۵ " "

ان اعداد سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ جو لوگ زیادہ ساکھ رکھتے ہیں۔ اُن پر قرض بھی زیادہ ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ چھوٹے کاشتکاروں پر قرض کا بوجھ "زیادہ" ہے۔ اور بڑے کاشتکاروں پر قرض کی "رقم" زیادہ ہے۔ ہم ذیل میں ایک نقشہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے چند اضلاع کے بڑے اور چھوٹے مالکوں کے قرضے کی حیثیت واضح ہو گی :-

ضلع	بڑے مالکان اراضی			چھوٹے مالکان اراضی		
	تعداد	اوسط قرض فی کس مقروض	مالیہ سے کتنے گنا قرض ہے	تعداد	اوسط قرض فی کس مقروض	مالیہ سے کتنے گنا قرض ہے
سیالکوٹ	۱۸۷۴[1]	۵۴۷	۱۵	۶۵۱	۳۲۶	۳۱
گورداسپور	۳۰۳۹	۴۶۱	۱۹	۱۵۶۴	۳۶۸	۳۶
ہوشیارپور	۱۰۴۳	۱۰۹۰	۱۵	۱۹۷۵	۴۷۰	۳۳
انبالہ	۱۳۶۷	۵۶۶	۲۳	۸۷۰	۳۲۴	۵۲
لاہور	۷۱۳	۸۶۵	۱۸	۶۸۶	۳۸۷	۴۶
جالندھر	۲۴۲۸	۶۳۹	۱۱	۳۸۴۱	۲۷۸	۲۰
فیروزپور	۱۲۰۷	۹۰۲	۱۷	۷۳۴	۲۹۸	۴۶
گجرات	۹۴۶	۴۳۶	۱۰	۶۹۱	۲۴۳	۲۲
راولپنڈی	۶۷۱	۲۱۸	۵	۱۰۴۰	۱۴۴	۲۵
رہتک	۲۲۷۷	۵۶۹	۱۳	۱۸۰۰	۳۶۷	۴۳

[1] یہ اُن کاشتکاروں کی تعداد ہے۔ جن کے حالات کی تحقیقات کی گئی ہے۔

مثال کے طور پر ضلع انبالہ کو دیکھو۔ اس کے بڑے مالکوں پر حساب اوسط ۵۲۶ فی کس قرض ہے۔ اور چھوٹے مالکوں پر صرف ۱۳۲۴۔ لیکن بڑے مالکوں پر ان کے مالیہ سے صرف تیس گنا قرض ہے۔ اور چھوٹے مالکوں پر باون گنا۔ اس سے صاف معلوم ہوگا۔ کہ بڑے مالکوں کے قرض کی رقم زیادہ ہے۔ اور چھوٹے مالکوں پر قرضے کا بوجھ زیادہ ہے۔

پنجاب کے تمام اضلاع زراعتی اعتبار سے چھ حصوں میں منقسم ہیں:-

۱۔ **دامان کوہ کے اضلاع** سیالکوٹ۔ گورداسپور۔ انبالہ۔ ہوشیارپور۔
۲۔ **وسطی پنجاب**۔ جالندھر۔ فیروزپور۔ لاہور۔ گجرات۔ امرتسر۔ لودھیانہ۔ گوجرانوالہ۔
۳۔ **شمالی پنجاب**۔ راولپنڈی۔ جہلم۔ اٹک۔
۴۔ **جنوبی پنجاب**۔ گوڑگانوں۔ رہتک۔ حصار۔ کرنال۔
۵۔ **مغربی پنجاب**۔ میانوالی۔ مظفرگڑھ۔ ڈیرہ غازی خاں۔ ملتان۔
۶۔ **نہری نوآبادیاں**۔ لائل پور۔ شاہ پور۔ جھنگ۔ منٹگمری۔

چونکہ قرض کی وسعت اور اس کے بوجھ کا صحیح اندازہ اس معلومات سے ہو سکتا ہے۔ کہ قرضے کی رقم سرکاری مالیہ سالانہ سے کتنے گنا زیادہ ہے۔ اس لئے ہم ان اضلاع کے قرضہ معلومہ کی رقم اور مالیہ سے اس کا تناسب ذیل میں درج کرتے ہیں:-

دامان کوہ کے اضلاع

ضلع	بڑے اور چھوٹے مالکوں کا مجموعی قرضہ [۱]	مالیہ سے اسکا تناسب
سیالکوٹ	چار کروڑ ستاون لاکھ	۲۷ گنا
گورداسپور	تین کروڑ پچھتر لاکھ	۳۰ "
انبالہ	تین کروڑ چودہ لاکھ	۲۱ "
ہوشیارپور	چار کروڑ تینتیس لاکھ	۲۳ "

[۱] اس تخمینے میں صرف بڑے اور چھوٹے مالکوں کے قرضے کا اندازہ درج کیا گیا ہے۔ موروثی اور عارضی مزارعین کا قرضہ اس کے علاوہ ہے۔

وسطی پنجاب

ضلع	مالکوں کا قرضہ	مالیہ سے اسکا تناسب
جالندھر	تین کروڑ انتیس لاکھ	۲۳
فیروزپور [۲]	سات کروڑ	۳۸
لاہور	تین کروڑ انتالیس لاکھ	۲۱
گجرات	دو کروڑ پچاس لاکھ	۱۵
امرتسر	چار کروڑ اسی لاکھ	۳۰
لودھیانہ	تین کروڑ اڑتالیس لاکھ	۲۳
گوجرانوالہ	چھیانوے لاکھ	۶

[۲] بہت زیادہ خوشحال ضلع ہے۔ لہذا قرضہ بھی غیر معمولی طور پر زیادہ ہے۔

شمالی پنجاب

مالیہ سے تناسب	مالکوں کا قرضہ	ضلع
۸	ستاون لاکھ	راولپنڈی
۱۳	چھیانوے لاکھ	جہلم
۱۸	ایک کروڑ اکیس لاکھ	اٹک

جنوبی پنجاب

مالیہ سے تناسب	مالکوں کا قرضہ	ضلع
۱۹	تین کروڑ	گوڑگانوہ
۱۷	دو کروڑ چوہتر لاکھ	رہتک
۱۵	ایک کروڑ ستاون لاکھ	حصار
۱۱	ایک کروڑ تنتالیس لاکھ	کرنال

مغربی پنجاب

مالیہ سے تناسب	مالکوں کا قرضہ	ضلع
۲۸	ایک کروڑ پچاس لاکھ	میانوالی
۲۳	ایک کروڑ اکیانوے لاکھ	مظفرگڑھ
۲۲	ایک کروڑ اڑسٹھ لاکھ	ڈیرہ غازی خاں
۸	دو کروڑ	ملتان

نہری نوآبادیاں

نہری نوآبادیوں کے پورے اعداد تو مہیا نہیں کئے جا سکتے۔ البتہ یہ بتایا جا سکتا ہے کہ ضلع لائل پور کی نوآبادی میں ۰۳۲۱۹ آبادکاروں کے حالات پر غور کیا گیا۔ ان میں سے ۲۲ فی صدی قرضے سے آزاد ہیں۔ باقی اشخاص پر ۷۹۳ روپے فی کس (بحساب اوسط) قرض ہے۔ اور مالیہ سالانہ سے صرف پانچ گنا ہے۔ اسی طرح شاہ پور کی نوآبادی میں ۰۱۲۷۲ آبادکاروں کے متعلق تحقیق کی گئی جن میں سے پینتیس فی صدی قرض سے آزاد ہیں۔ باقی اشخاص پر بحساب اوسط فی کس ۵۷۰ روپے قرض ہے۔ اور مالیہ سالانہ سے صرف تگنا ہے۔

ضلع لائل پور کے پورے قرضے کا اندازہ دو کروڑ بیس لاکھ کیا جاتا ہے۔

ان اعداد سے تمہیں پنجاب کے مختلف اضلاع کے زمینداروں کے قرضے کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو گیا ہوگا۔ مالیہ سالانہ سے قرضے کا تناسب بھی درج کر دیا گیا ہے تاکہ یہ اندازہ کیا جا سکے کہ کس کس ضلع کے کاشتکار مالکوں پر قرض کا بوجھ دوسرے اضلاع کے کاشتکاروں سے زیادہ ہے۔

اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ کاشتکاروں کے سارے قرضے کا چالیس فی صدی حصہ جائداد رہن رکھ کر لیا گیا ہے۔ یہ چالیس فی صدی کاشتکاروں بحیثیت مجموعی ہے۔ ورنہ بعض اضلاع مثلاً ہوشیارپور اور جالندھر میں یہ قرضۂ رہن پچاس فی صدی سے بھی زیادہ ہے + اس کے مقابلے میں راولپنڈی جہلم اور اٹک میں سینتیس فی صدی اور رہتک حصار اور کرنال میں صرف تئیس فی صدی ہے + بحساب اوسط کل صوبے کے کاشتکاروں کا رہن شدہ جائداد پر قرضہ پینتالیس فی صدی کے قریب ہے۔ لیکن اس میں تخمیناً پانچ فی صدی وہ ہوگا۔ جس میں زمین نہیں۔ بلکہ زیورات گروی رکھے گئے ہیں۔ لہذا چالیس فیصدی کا اندازہ ہی صحیح کے قریب ہے ؛؛

اس سے معلوم ہوا۔ کہ کاشتکاروں کا نصف سے زیادہ قرضہ اپنی پشت پر کوئی کفالت نہیں رکھتا + اس کی دو وجہیں ہیں۔ اول۔ عام طور پر زمیندار اپنی زمین کو رہن کرنے سے پہلو تہی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ اگر قرض ادا نہ ہو سکا۔ تو شاید بیع ہی کی نوبت آ جائے۔ اور مستقل کمائی کا ایک ذریعہ جاتا رہے + اس کے علاوہ جب کسی زمیندار کی زمین رہن ہو جاتی ہے۔ تو ہم چشموں کے درمیان اس کی عزت میں فرق آ جاتا ہے۔ اور یہ ذلت اس کے بچوں کے شادی بیاہ میں خلل انداز ہوتی ہے۔ لہذا وہ جب تک

بالکل ہی مجبور نہ ہو جائے۔ زمین کو رہن نہیں کرتا+ دوم۔ ساہوکار جانتا ہے۔ کہ رہن کی کفالت والے قرض میں سود کم ملتا ہے۔ اور "کھلے" قرض میں سود کی رقم تقریباً دگنی ہو جاتی ہے+ اس میں شک نہیں۔ کہ یہ کفالت قرض دینا اپنے روپے کو غیر محفوظ کر دینا ہے لیکن زمیندارہ کی عام دیانت۔ ادائے قرض پر ہر لحظہ آمادگی اور فصلوں پر غلہ مل جانے کی امید ساہوکار کا حوصلہ بڑھا دیتی ہے۔ اور وہ کسان کی ذاتی ساکھ پر قرض دے دیتا ہے +

حالات واعداد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گذشتہ چند سال سے کسانوں کو یہ احساس پیدا ہو چلا ہے۔ کہ "کھلا" قرضہ لے کر گرانبار سود ادا کرنے سے زمین کو رہن کر دینا بہتر ہے۔ کیونکہ ایک تو اس میں سود کم دینا پڑتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے۔ کہ جب سے قانون انتقال اراضی نافذ ہوا ہے غیر کاشتکار مہاجن اراضی مرہونہ کو بیس سال سے زیادہ اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا۔ اس میعاد کے بعد اس زمین کا قبضہ خود بخود مالک کو مل جاتا ہے +

پنجاب کے مالکان اراضی کا قرضہ

واضح رہے۔ کہ پنجاب کی اراضی کا سالانہ مالیہ پونے پانچ اور پانچ کروڑ کے درمیان ہے۔ اور صوبے کے مالکان اراضی پر جو قرضہ ہے۔

وہ مالیہ سالانہ سے بارہ گنا ہے۔ گویا تقریباً ۵۵ کروڑ سمجھنا چاہئے۔ لیکن حقیقت میں یہ رقم بہت تھوڑی ہے۔ اصلی قرض اس سے زیادہ ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں اندازہ کیا گیا تھا۔ کہ صوبے کے کاشتکاروں نے جو زمینیں رہن کر رکھی ہیں۔ ان پر کوئی ساڑھے سینتیس کروڑ روپیہ قرضہ ہے۔ چونکہ قرضہ رہن کل قرضے کا پینتالیس فی صدی حصہ تھا۔ لہٰذا اندازہ کیا گیا۔ کہ کل قرضہ ۷۷ کروڑ کے قریب ہو گا۔ (اس قرضے میں موروثی اور عارضی مزارعین شامل نہیں ہیں۔ یہ صرف مالکوں کا قرضہ ہے) اگر اس قرضے کی مقدار ستتر کروڑ بھی سمجھی جائے۔ جب بھی مالیہ سالانہ سے ساڑھے پندرہ گنا ہے۔ صوبے کی زمین کی آمدنی کا پانچواں حصہ مالیہ میں چلا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ بحساب اوسط ہر مالک کا قرضہ اس کی تین سال کی آمدنی کے برابر ہے۔ اسی سے اندازہ کر لو۔ کہ زمیندار لوگ کیسی بری طرح قرضے کے پھندے میں گرفتار ہیں۔ اور ان کی حالت بظاہر کس قدر لاعلاج اور یاس انگیز ہے۔

یہ تو ہوا صرف مالکان اراضی کا قرضہ۔ اب یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ مزارعین کا قرضہ ملا کر یہ رقم کہاں تک پہنچتی ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری سے یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ صوبے میں موروثی اور عارضی مزارعین کے قریباً دس لاکھ کنبے موجود ہیں۔ جن کی زندگی کا مدار تو کاشتکاری پر ہے۔ لیکن خود ایک چپہ بھر زمین کی بھی ملکیت نہیں رکھتے۔ ہزار ہا لوگ

نے تحقیقات سے یہ معلوم کیا ہے۔ کہ اوسطاً مزارعین کا ہر کنبہ ڈیڑھ سو روپیہ کا مقروض ہے۔ ممکن ہے ان میں بہت سے مقروض نہ ہوں۔ لیکن کل قرضے کا حساب لگایا جائے۔ تو ڈیڑھ سو روپیہ فی کنبہ پہنچتا ہے۔ یعنی مزارعین کے دس لاکھ کنبوں پر بھی تقریباً پندرہ کروڑ روپیہ قرض ہے۔ اس قرض میں مالکوں کا پچھتر کروڑ جمع کرو۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ

آج پنجاب کی کاشتکار آبادی پر نوّے کروڑ روپیہ قرض ہے جس کا تقریباً ساڑھے تیرہ کروڑ روپیہ سالانہ سُود ادا کرنا پڑتا ہے۔ گویا محض سُود کی رقم بھی مالیہ سالانہ یعنی پونے پانچ کروڑ سے تگنی ہے!

اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو۔ کہ پنجاب نہایت خوش حال صوبہ ہے۔ اور اس کی اراضی کی سالانہ پیداوار تقریباً ایک ارب اٹھائیس کروڑ کی مالیت رکھتی ہے۔ گویا پنجاب اپنے کاشتکاروں کے پورے قرضے سے چالیس فی صدی زیادہ پیداوار ہر سال دیتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس صوبے کی خوشحالی اس کے قرضے کی تخفیف سے بالکل عاجز ہے۔ بلکہ یہ خوفناک بوجھ سال بسال بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

سب سے بڑی مصیبت یہ ہے۔ کہ اس قرضے کا بہت بڑا حصہ غیر مفید ہے۔ مفید قرضہ وہ ہے۔ جس سے زمین کی قوت زراعت کو بڑھانے

اور آلات کشاورزی کے خریدنے کی تدبیریں اختیار کی جائیں۔ کیونکہ اس قسم کا قرضہ مقروض کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اور جلد اُتر بھی جاتا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے۔ کہ اس نوّے کروڑ میں سے صرف ساڑھے چار کروڑ یعنی پانچ فی صدی "مفید" ہے اور باقی ساڑھے پچاسی کروڑ شادی بیاہ اور دیگر بے نتیجہ اور غیر مفید مصارف میں صرف کیا گیا ہے۔ اور اس کے اُترنے کی بظاہر کوئی صورت نہیں + لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ پنجابی کسانوں نے فی الحقیقت اتنی بڑی رقم محض شادی بیاہ کے مراسم میں صرف کر دی ہے۔ بلکہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس تمام قرضے کا تقریباً نصف حصہ سود در سود اور بعض بدنیت ساہوکاروں کی زیادتیوں کا شرمندۂ احسان ہے +

مسلمانوں کا قرضہ

اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہیئے۔ کہ ہندوؤں اور سکھوں کے مذہب میں سُود لینا منع نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں میں سُود لینا حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے وہ عام طور پر بڑے گھاٹے میں رہتے ہیں۔ کیونکہ انہیں سود دینا تو پڑتا ہے۔ لیکن عام طور پر وہ خود لینا منظور نہیں کرتے ہیں + چونکہ یہاں کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۵۶ فی صدی ہے۔ اور اُن پر دوسری قوموں کی نسبت قرضے کا بوجھ بھی زیادہ ہے۔ اس لئے تخمینہ لگایا گیا ہے کہ نوّے کروڑ میں سے ساٹھ کروڑ صرف

مسلمانوں کے ذمّے ہے + ہم نہیں سمجھتے۔ کہ جس قوم پر اس قدر قرض کا خوفناک بوجھ ہو۔ اور اس قرضے کے شدید و ہولناک نتائج دن رات اس کا خون خشک کر رہے ہوں۔ اُس قوم کے پنپنے کی کیا صورت ہے مسلمانوں کو چاہئیے۔ کہ اگر انہیں زندہ رہنا اور عزّت اور خوشحالی سے زندگی بسر کرنی ہے۔ تو قرض کے اس خوفناک بوجھ سے نجات پانے کے لئے ہر ممکن کوشش شروع کر دیں۔ ورنہ اگر اور چند سال اسی غفلت میں گزر گئے۔ تو اُن کا مرض بالکل لاعلاج ہو جائے گا۔ وہ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جائیں گے۔ اور تمام عمر مفلسی اور مصیبت کی زندگی بسر کریں گے ؛

ضروری اعداد و شمار کا خلاصہ

۱۔ پنجاب کی کُل آبادی × ۲۰۶۸۵۰۲۴ نفوس

۲۔ وہ آبادی جس کا گزارہ کاشت پر ہے × ۱۱۸۶۴۶۸۸ نفوس

۳۔ رقبہ زیر کاشت × ۲۸۸۱۰۰۰۰۔ ایکڑ (دو کروڑ اٹھاسی لاکھ دس ہزار)

۴۔ سالانہ پیداوار کی مالیت × ۱۲۸۰۰۰۰۰۰ روپیہ (ایک ارب اٹھائیس کروڑ)

۵۔ پنجاب کی زمین کا مالیہ سالانہ × ۴۸۶۰۰۰۰۰ روپیہ (بالاوسط) (چار کروڑ چھیاسی لاکھ)

۶۔ صوبے کے کاشتکاروں کا قرضہ موجودہ × ۹۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ (نوے کروڑ)

۷۔ پنجاب کے مسلمانوں پر قرضہ × ۶۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ (ساٹھ کروڑ)

پانچواں باب

پنجاب کے سُود خوار

پہلی فصل

ساہوکاروں کے طور طریقے

دنیا میں روپیہ حاصل کرنے کے جو بے شمار طریق آج کل رائج ہیں ان میں سے ایک سود خواری بھی ہے۔ جس طرح بڑے بڑے ہادی اور پیشوا بعض ناجائز افعال اور گناہوں کے خلاف وعظ کہتے رہے ہیں

اسی طرح سود لینے کے خلاف ہر زمانے کے نبیوں مُصلحوں اور رشیوں نے اہل دنیا کو ہدایت دی۔ سب نے اسے ناجائز قرار دیا۔ کہ کوئی عزیز۔ دوست آشنا۔ ہمسایہ یا محتاج کسی مصیبت کا شکار ہو جائے۔ اور کسی روپے والے سے امداد کا خواستگار ہو۔ تو وہ ان کی مصیبت سے فایدہ اُٹھائے۔ یعنی ان کو روپیہ قرض دے کر اس پر منافع مانگے۔ آج دنیا میں جو قوم سب سے زیادہ سود کے کاروبار پر گزران کر رہی ہے۔ وہ یہودیوں کی قوم ہے۔ جس کے سب سے بڑے الوالعزم پیغمبر یعنی موسیٰؑ نے یہ حکم دیا تھا۔ کہ غیر قوموں کو سود پر قرض دے دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اپنے ہم قوم بھائیوں سے ہرگز سود نہ لو۔ تاکہ خداوند تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ افلاطون اور ارسطو نے اس امتیاز کو بھی مٹا دیا۔ اور ارسطو نے یہاں تک لکھ دیا۔ کہ روپیہ پیدا کرنیکے تمام طریقوں میں سے یہ طریقہ سب سے زیادہ خلاف فطرت ہے۔ سسرو لکھتا ہے۔ کہ رومیوں کے بہت بڑے رواقی حکیم کیٹو سے ایک دفعہ سوال کیا گیا۔ کہ سود کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیٹو نے اس کے جواب میں یہ سوال کیا۔ کہ تمہارا قتل کے متعلق کیا خیال ہے؟ گویا اُس کے نزدیک سود خواری اور قتل میں کوئی فرق نہ تھا۔ کلیسائے مسیحی نے بھی سود خواری کی سخت ممانعت کی۔ اور اسلام نے بھی سود لینا قطعاً ممنوع قرار دیا۔ ازمنہ متوسط میں بلکہ ان کے خاتمے کے ایک دو صدی بعد تک بھی یورپ

سودخواری کے متعلق اسی اعتقاد پر قائم رہا۔ یہاں تک کہ الزبتھ کے عہد میں
شیکسپیر نے مشہور ڈراما وینس کا سوداگر تصنیف کیا۔ اور اس میں شائیلاک
یہودی کو جس طرح پیش کیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس زمانے
میں وہاں کے لوگ سودخواری کو کتنا ناپسند کرتے تھے + اس سے کوئی
ایک سو سال بعد جیسوبیٹ عقیدے کے عیسائیوں نے کسی قدر نرمی اختیار
کی۔ اور کہا۔ کہ اگر روپے پر منافع بطور حق وصول کیا جائے۔ تو یہ سود ہوگا
لہذا ناجائز ہے۔ لیکن اگر قرض لینے والا اپنی ممنونیت کے اعتبار سے ایک
مقررہ رقم اپنی خوشی سے ادا کرنا اپنے لئے فرض قرار دے لے۔ تو اسے سود
نہ کہیں گے۔ گویا اس طرح سے سود لینے کی صورت جواز پیدا کر لی گئی + اسی
کے بعد جب صنعت و حرفت اور تجارت نے ترقی کی۔ تو روپیہ صرف چھوٹی
چھوٹی ذاتی ضروریات کے رفع کرنے ہی کا آلہ نہ رہا۔ بلکہ اس سے اور بہت سا
روپیہ پیدا کرنے کے سینکڑوں طریقے نکل آئے + مقروض نے قرض خواہ کے
روپے سے کثیر منافع حاصل کرنا شروع کر دیا۔ تو قرض خواہ بھی اپنے آپ
کو اس منافع کے ایک حصے کا مستحق سمجھنے لگا۔ چنانچہ تجارتی ضروریات نے
دنیا کو مجبور کر دیا۔ کہ وہ سود لے اور سود دے +

یورپ کی سودخواری کے متعلق عقائد کے تغیر کا حال ہم نے اس لئے
لکھا ہے۔ کہ آج سود نے جو وسعت اختیار کی ہے۔ اور جس طرح تجارت میں
اسکا وجود ناگزیر قرار پا چکا ہے۔ یہ نظام تمام تر یورپ ہی میں پیدا ہوا۔ اور

اس کے بعد دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پھیل گیا۔ اور آج دنیا کا کوئی ملک نہیں۔ جو اس بات کا دعویٰ کر سکے۔ کہ اس کے ہاں سود لینے کا دستور نہیں ٭

ہندوستان میں بھی پرانے زمانے میں سود لینا بہت بُرا خیال کیا جاتا تھا۔ اور دوسروں کی مصیبت سے اس قسم کا مالی فایدہ حاصل کرنے والے چور سے بہتر نہ سمجھے جاتے تھے۔ منو شاستر میں برہمن اور چھتری کو سود پر روپیہ قرض دینے کی اجازت نہیں۔ دسشٹ جی فرماتے ہیں۔ کہ جو بچہ عورت کے پیٹ میں ہو۔ اس کے ہلاک کرنے اور سود لینے کو ترازو میں تولا گیا۔ تو سود لینے والے کا پلڑا بھاری نکلا۔ اس استعارے سے رشی یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ سود جو زندہ انسانوں کا خون خشک کر دیتا ہے۔ اس بچے کو ہلاک کرنے سے زیادہ مستحق سزا ہے۔ جو ابھی دنیا ہی میں نہ آیا ہو ٭

پنجاب میں انگریزی حکومت سے پہلے بھی قرض کی گرم بازاری کافی تھی۔ کیونکہ سکھوں کے اہلکاروں کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ فصل کی تیاری سے پہلے ہی زر مالیہ وصول کر لیا کرتے تھے۔ چونکہ فصل سے پہلے کسان کے پاس روپیہ عنقا کا حکم رکھتا ہے۔ اس لئے اسے قرض لے کر مالیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ قحط اور خشک سالی کے امکانات بھی اس قدر کم نہ تھے۔ جتنے آج ہیں۔ جس علاقے میں قحط پڑ جاتا تھا۔ اس کے رہنے والے اپنے جسم و روح کا اتحاد قائم رکھنے کی خاطر قرض لے لیا کرتے

تھے + یہ یاد رکھنا چاہئیے - کہ قرض حکومت انگریزی کے آنے سے
پہلے بھی موجود تھا - اور اب بھی ہے - فرق اتنا ہو گیا ہے - کہ سرکار
انگریزی کے ماتحت مہاجن اور ساہوکار پہلے سے زیادہ دولتمند
اور طاقتور ہو گئے ہیں - اور صوبے کے کاشتکاروں کا قرضہ
بہت بڑھ گیا ہے + اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے - کہ صوبے
کا ہر گوشہ امن و امان کی نعمت سے بہرہ اندوز ہو رہا ہے جس کے
باعث ساہوکاروں کو اس امر کا خطرہ باقی نہیں رہا - کہ ان کا روپیہ
ڈوب جائیگا + وہ بالکل بے فکری سے قرضہ دیتے ہیں - اور اس
کے لئے صرف مقروض کی ساکھ کو دیکھتے ہیں + امن و امان کے علاوہ
نہروں کے کھد جانے اور جنگلوں کے آباد ہو جانے سے زمین کی پیداوار
میں بہت ترقی ہوئی ہے - اور یہ تم پڑھ ہی چکے ہو - کہ خوشحالی قرضے کو
بڑھاتی ہے + زمین کی قیمت بڑھ جانے کے باعث کسان کی ساکھ
میں ترقی ہوئی - لہذا قرض بھی بڑھ گیا + علاوہ بریں ہمارے نزدیک
دیوانی عدالتیں بھی ازدیاد قرضہ کا باعث ہیں + انگریزی راج کے
ابتدائی زمانے میں حالت کسی قدر اچھی تھی - کیونکہ اول تو گاؤں کے
لوگ اپنی پنچایتوں ہی میں لین دین کے جھگڑے کا فیصلہ کر لیا کرتے
تھے - لیکن اگر عدالت میں جانے کی ضرورت بھی پڑتی تھی - تو ڈپٹی کمشنر
اور تحصیلدار اس قسم کے جھگڑوں کی سماعت کرتے تھے + ان لوگوں

کا طریقہ یہ تھا۔ کہ قانون اور ضابطہ کو اتنی زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے بلکہ
اصلیت معلوم کرتے۔ اور محض انصاف سے کام لیکر فیصلہ کر دیا کرتے
تھے لیکن سنہ ۱۸۶۶ء میں یہاں چیف کورٹ قائم ہو گیا۔ اور وکیلوں کو
وکالت کرنے کی اجازت مل گئی + کوئی آٹھ سال بعد قرض وغیرہ کے
تمام مقدمات منصفوں کے سپرد کر دیئے گئے + یہ منصف لوگ قانون
میں پورے تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ لیکن ایک تو ان پہ کام کاج کا بوجھ
زیادہ ہوتا تھا۔ دوسرے شہروں کے باشندے ہونے کی وجہ سے
انہیں دیہات اور اہل دیہات کے حالات سے اور ان کے طور
طریقوں اور رسم و رواج سے کچھ بہت واقفیت نہ تھی + اس لئے
وہ اس قسم کے مقدمات میں زیادہ چھان بین سے کام نہ لے سکتے تھے۔
صرف تحریر اور تمسک یا ساہوکار کا بہی کھاتا دیکھ کر فیصلہ کر دیتے تھے
یہ ظاہر ہے۔ کہ اگر کوئی شخص ناجائز ذرائع ہی سے روپیہ کمانے پر تل چکا
ہو۔ تو اپنے حسابات بھی حسب ضرورت تبدیل کر سکتا۔ اور جاہل کسان
سے بآسانی اس کی تصدیق کروا کر قانون سے فائدہ اٹھا سکتا ہے +

اب ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ سود خواری کے کون سے طریقے
قابل اعتراض ہیں۔ جن کے انسداد پر صوبے کی آئندہ خوشحالی
منحصر ہے +

انگریزی حکومت سے پہلے ایک تو زمین کی قیمت بہت زیادہ نہ

تھی۔ دوسرے رسم ورواج اس امر کا مانع تھا۔ کہ کوئی قرض خواہ اپنے مقروض زمیندار کو اس کی زمین سے محروم کردے۔ چنانچہ مہاجن اور ساہوکار کاشتکاروں کو قرض دے کر ان سے غلے کی صورت میں وصول کر لیتے تھے+ اس طریق عمل سے مہاجنوں کو دوہرا فائدہ ہوتا تھا۔ وہ ایک طرف کسان سے سود لیتے تھے+ اور دوسری طرف اس کے غلے کو منڈی میں بیچ کر منافع بھی حاصل کر لیتے تھے+ لیکن چونکہ انہیں صرف فصل کی پیداوار ہی سے مطلب تھا۔ اس لئے کسانوں کی ساکھ زمین کی پیداوار سے بڑھنے نہ پائی تھی+ انگریزی حکومت کے پہلے پندرہ بیس سال میں یہی حالت رہی۔ لیکن جونہی روپے کی افراط ہوئی۔ اور زمین کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوا۔ مہاجن نے بھی اپنا پینترا بدلا۔ اور نہایت کھلے دل سے کسانوں کو قرض دینے لگا+ اب اس کی نظر فصل کی پیداوار پر نہ تھی۔ بلکہ اس نے زمین کے حصول کو اپنا مطمح نظر قرار دیا۔ یہاں تک سنہ ۱۸۶۶ء سے سنہ ۱۸۹۳ء تک گیارہ لاکھ اناسی ہزار ایکڑ زمین کاشتکاروں کے قبضے سے نکل کر ساہوکاروں کے ہاتھ میں چلی گئی+ اس تباہی پر تمام صوبے کے کاشتکار اور علے الخصوص مسلمان تڑپ اٹھے۔ اور ان کے شور وغوغا کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ قانون انتقال اراضی نافذ کیا گیا جس سے کاشتکاروں کی اراضی بہت بڑی حد تک محفوظ ہو گئیں۔ اس قانون کا

لہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ پنجاب کی اراضی کا کل مزروعہ رقبہ دو کروڑ اٹھاسی لاکھ دس ہزار ایکڑ ہے ÷

مفصل تذکرہ آیندہ فصل میں کیا جائیگا) ⁂

لیکن جب تک ہندوستان میں شرح سود زیادہ ہے کاشتکاروں کی مصیبتوں کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا۔ پرانے زمانے میں چونکہ روپیہ باافراط نہ تھا۔ اور قرض دینے میں خطرہ بھی تھا۔ کیونکہ اگر فصل اچھی نہ ہوتی تھی۔ تو کسان قرض ادا نہ کرسکتا تھا۔ اور اگر پے در پے چند فصلیں خراب ہوجاتیں۔ تو قرض کے واپس ملنے کی کوئی صورت ہی باقی ہی نہ رہتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہندوستان میں شرح سود پندرہ فی صدی سے لے کر ساٹھ فی صدی سالانہ تک ہمیشہ رہی ہے۔ اور انگریزی حکومت کے آنے سے پہلے نقد پر پچیس فی صدی سالانہ اور جنس پر پچاس فی صدی سالانہ سود وصول کیا جاتا تھا۔ لیکن جب رعیت عام ہوگیا۔ اور فصلوں کی حالت بھی کسی قدر محفوظ اور یقینی نظر آنے لگی۔ تو شرح سود میں کمی واقع ہوئی۔ نقد پر اٹھارہ انیس اور جنس پر پچیس فی صدی سالانہ کا رواج ہوگیا۔ جن اضلاع میں روپیہ زیادہ تھا۔ ان میں یہ شرح اور بھی کم ہوگئی۔ سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء میں خشک سالی کی وجہ سے پھر شرح سود میں اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ ضلع ہزارہ میں یہ شرح پچاس فی صدی سالانہ تک بڑھ گئی۔ یہ شروح "کھلے" قرضوں کے لئے تھیں۔ اگر کوئی شخص زیور گروی رکھے۔ تو اس سے کم مثلاً بارہ سے اٹھارہ فی صدی تک اور زمین کے رہن کی صورت میں نو سے بارہ فی صدی تک اور رہن باقبضہ کی

حالت میں چار سے چھ فی صدی سالانہ تک بھی سُود لے لیا جاتا تھا + اگر تمام صوبے کے مختلف حصوں کے حالات کو پیش نظر رکھ کر اوسط کا حساب لگایا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ عام طور پر پندرہ فی صدی سالانہ سے کم سُود پر کاشتکار کو قرضہ نہیں ملتا۔ اور زیادہ شرح کا تو کچھ حساب ہی نہ پوچھئے + جس ملک کے کاشتکاروں کو پندرہ فی صدی سالانہ سود اپنے ضروری قرضوں پر ادا کرنا پڑے۔ وہ قیامت تک بھی حقیقی زراعتی خوش حالی حاصل نہیں کرسکتا ؛

یہ تو ہوئی سُود کی حالت۔ اب سود در سود کا حال سنئے + پرانے زمانے میں یہ رواج تھا۔ کہ سود در سود نقد کے معاملے میں پچاس فی صدی اور جنس پر ایک سو فی صدی سے بڑھنے نہ پاتا تھا + مشہور مثل تھی۔ کہ "دام ڈیوڑھے جنس دُونی"۔ لیکن انگریزی راج کے آنے سے رواج تو اُڑ گیا۔ اور اُس کی جگہ قانون نے لے لی۔ عدالتوں کے ججوں اور منصفوں نے صرف تمسکات کو دیکھ کر فیصلے دینے شروع کر دیئے۔ اور اس بات کا کبھی خیال نہ کیا۔ کہ سود در سُود اصل کے مقابلے میں کیا تناسب اختیار کر چکا ہے + مسٹر ایم ایل ڈارلنگ نے جن کی تحقیقات پر زیادہ تر ان اعداد کا مدار ہے۔ لکھتے ہیں۔ کہ سنہ ۱۸۹۶ء میں حصار کے ایک لوہار نے اپنی زمین کا ایک قطعہ چھبیس روپے میں ساڑھے سینتیس فی صدی سالانہ سُود پر رہن رکھا۔ اور اس نے

بعد کوئی اَور قرضہ نہ لیا۔ سنہ ۱۹۰۶ء تک وہ چھبیس روپے سود در سود کی وجہ
سے پانسو کی رقم تک پہنچ گئے۔ اور سنہ ۱۹۱۸ء میں پوری رقم کی ڈگری عدالت
نے اُس کُمہار کے خلاف دے دی+ پروفیسر مارشل نے لکھا ہے۔ کہ اگر
آج ایک پونڈ ساٹھ فی صدی سالانہ سُود پر قرض لیا جائے۔ تو وہ آٹھ
سال کے بعد سود در سود کی وجہ سے ایک سو پونڈ تک پہنچ جائے گا+
ایک جاٹ نے ساڑھے تین سو روپیہ قرض لیا۔ بیس سال کی مدت میں
ساڑھے چار سو ادا کر چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ابھی اس پر ایک ہزار
روپیہ قرض اَور باقی ہے+ مسٹر ڈارلنگ ایک اَور اچھے خاصے خوشحال
کسان کا حال لکھتے ہیں۔ کہ سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۱۱ء تک اس کسان
نے ڈھائی ہزار روپیہ پچیس فی صدی سالانہ سُود پر قرض لیا۔ سنہ ۱۹۱۲ء
میں پچاس اَور لئے۔ گویا کل ۲۵۵۰ کی رقم وصول کی۔ اب سنئے۔ کہ
اسے ادا کیا کرنا پڑا+ چوبیس سو من غلہ جس کی قیمت تخمیناً پانچ ہزار
سمجھئے۔ مزید جنس اور مواشی جن کی مالیت آٹھ سو کی تھی۔ سنہ ۱۹۱۲ء سے
سنہ ۱۹۱۸ء تک گیارہ سو روپیہ نقد بھی ادا کیا۔ گویا تقریباً چھ ہزار نو سو
روپے ادا کئے۔ اس کے بعد حساب کیا گیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ڈھائی ہزار
روپیہ ابھی اَور واجب الادا ہے۔ چنانچہ تیرہ سو روپے میں تو آٹھ ایکڑ
زمین رہن کی گئی۔ اور بارہ سو کے لئے ایک تمسک لکھ دیا گیا+ اس
کا مطلب یہ ہے۔ کہ دس سال کی مدت میں کسان کو ۲۵۵۰ روپے

کے بدلے میں نو ہزار چار سو روپے کی رقم ادا کرنی پڑی - اور پھر آخری رہن اور تمسک پر جو سود چڑھے گا - وہ ابھی شمار نہیں کیا گیا ۔

اسی طرح ۱۸۹۶ء کا ذکر ہے - گورداسپور کا ایک کاشتکار چار سو روپے قرض چھوڑ کر مر گیا + اس کے بیٹے نے ساہوکار کو اس رقم کا ایک تمسک لکھ دیا - جس کی ہر تین سال کے بعد تین دفعہ یعنی ۱۸۹۹ء ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۶ء میں تجدید کرائی گئی + ۱۹۰۹ء میں یہ قرضہ دو ہزار سات سو روپے تک پہنچ چکا تھا - چنانچہ ایک اور ساہوکار سے اتنی رقم قرض لے کر یہ پرانا قرضہ ادا کیا گیا + چند سال کے بعد یہ رقم بڑھ کر پانچ ہزار تک پہنچ گئی - جس کے لئے چھپن ایکڑ زمین رہن کی گئی - گویا صرف چار سو روپیہ کی رقم کے بدلے میں کاشتکار کی ساری زمین ساہوکار کے حوالے ہو گئی ۔

جنگ یورپ سے پہلے غلے کی صورت میں قرض کی ادائیگی کا رواج بہت زیادہ تھا - اور یہ رواج نقد قرض سے زیادہ تباہی خیز ہے + اس سے ساہوکار کو ایک تو یہ فائدہ رہتا تھا - کہ وہ کاشتکار سے سود کے طور پر زیادہ غلہ حاصل کر لیتا تھا - اور دوسرے اس غلے کو کافی منافع پر بیچ بھی دیتا تھا + اس کے علاوہ غلے پر سود بھی بہت زیادہ وصول کرتا تھا + یاد رہے - کہ اس قسم کے لین دین میں ساہوکار غلے کے بازاری نرخ کا لحاظ ہرگز نہ کرتا تھا - بلکہ قرض دیتے وقت ایک دو آنے فی سیر بڑھا دیتا تھا - اور وصول کرتے وقت اتنی ہی رقم وضع کر لیتا تھا + لدھیانے کی

بیٹ کا ذکر ہے۔ کہ مارچ ۱۹۱۸ء میں کسانوں نے ایک من مکّی قرض لی۔ جس کی قیمت چار روپے تھی۔ اور ساہوکار سے عہد کیا۔ کہ اس کے بدلے جون میں پونے دو من گیہوں ادا کریں گے۔ اور اگر جون میں ایسا نہ کر سکے۔ تو پھر جنوری میں ساڑھے تین من مکّی ادا کی جائے گی۔ گویا چار روپے کی رقم تین چار مہینے میں تقریباً نو روپے تک اور دس ماہ میں چودہ روپے تک بڑھ گئی۔ پچھلے دنوں مظفر گڑھ کے ضلع میں خشک سالی کی وجہ سے یہ حالت پیدا ہو گئی۔ کہ کسانوں کو بیج کے لئے غلّہ قرض لینا پڑا۔ اور شرط یہ قرار پائی۔ کہ اس کے بدلے میں فصل کا چوتھائی حصہ ساہوکار کو دے دیا جائے گا۔

اگرچہ اب پنجاب کے بہتر اضلاع میں غلّے کا لین دین متروک ہو رہا ہے۔ لیکن بعض پس ماندہ علاقوں میں اب تک بھی یہی حالت چلی جاتی ہے۔ کہ جونہی فصل طیار ہو کر کٹی۔ ساہوکار آن موجود ہوا۔ اور کسان اور اس کے کنبے کی چھ ماہ کی خوراک چھوڑ کر باقی ساری جنس اٹھا لے گیا۔ گوڑگانوں کے بعض حصوں میں فصل کا غلّہ تین انباروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلے انبار میں کسان اور اس کے کنبے کی شش ماہہ خوراک دوسرے میں بیج اور تیسرے میں بقایا جنس رکھ دی جاتی ہے۔ جو ساہوکار کا مال ہے۔ اور بعض اوقات تو وہ بیج بھی اٹھا لے جاتا ہے۔ مظفر گڑھ کے ضلع میں گیہوں کی پوری کی پوری فصل ساہوکار کے نیگ

لگ جاتی ہے۔ اور کسان کو اپنے گزارے کے لئے پھر قرض لینا پڑتا ہے ۔

بعض ساہوکاروں کی وہ کارستانیاں جو سُود یا سُود در سُود کے علاوہ معلوم ہوئی ہیں۔ ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض شکایتیں تو خاص خاص حلقوں ہی میں سُننے میں آئی ہیں۔ اور بعض ایسی ہیں۔ کہ سارے ہی صوبے کے ساہوکار کم و بیش ان میں مبتلا ہیں :-

۱۔ قرض دیتے وقت کم از کم ایک آنہ فی روپیہ وضع کر لیا جاتا ہے اور سُود ساری رقم پر لگایا جاتا ہے ۔

۲۔ جب بقایا نکالی جاتی ہے۔ تو کسان کو مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ سب رجسٹرار کے سامنے جا کر یہ بیان کر دے۔ کہ میں نے پوری رقم نقد وصول پائی۔ گو اس رقم کا زیادہ حصہ سُود در سُود ہی کے ذریعے سے المضاعف ہو گیا ہو ۔

۳۔ بہی کھاتے میں اونے قسم کے غلے کو اس طرح لکھا جاتا ہے۔ گویا وہ گیہوں تھے ۔

۴۔ جو قرضہ جنس میں ادا کیا جائے۔ اُس کا کوئی سُود وضع نہیں کیا جاتا ۔

۵۔ اگرچہ قرضہ بقایا نکالنے سے چند ہی ماہ پہلے لیا گیا ہو۔ لیکن اس

کا سُود پورے ایک سال کے حساب سے لیا جاتا ہے ٭

۶۔ حسابات ایسے پیچدار اور ناقابل فہم طریق سے لکھے جاتے ہیں۔ کہ سُود اصل زر سے جُدا نہیں کیا جا سکتا ٭

۷۔ سردی کے موسم میں پُرانا غلہ بطور خوراک دے دیا جاتا ہے۔ اور چند ماہ بعد گیہوں یا نقد کی صورت میں وصول کیا جاتا ہے۔ جس پر پچیس سے لے کر پچاس فی صدی تک سُود بھی لگا دیا جاتا ہے ٭

۸۔ فصل کے موقع پر اس کی پیداوار کا زیادہ تر حصّہ فی الفور لے لیا جاتا ہے۔ تا کہ وہ ایک ہی ماہ بعد جب مالیہ ادا کرنے کی خاطر از سرِ نو قرض لے۔ تو اس سے زیادہ سُود لیا جا سکے ٭

اگرچہ بعض حلقوں کے ساہوکاروں نے احتیاط سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔ لیکن ابھی تک کئی جگہ سے شکایتیں برابر سُننے میں آ رہی ہیں۔ اور ضرورت مند کو کم روپے دے کر زیادہ لکھوا لینے کی شکایت نسبتاً زیادہ سُننے میں آتی ہے ٭ مظفرگڑھ اور ہزارہ کے اضلاع میں تو کئی جگہ ایسا دیکھا گیا۔ کہ پچاس یا ساٹھ روپے دیئے گئے۔ اور ایک سَو کا تمسک لکھوا لیا گیا ٭ اس کے علاوہ سُود اور سُود در سُود کے حسابات میں روپیہ زیادہ کر لینے کی شکایت بھی زیادہ ہے اس کے علاوہ ساہوکار کسان سے ایندھن۔ چارا۔ دودھ اور گھی بھی وقتاً فوقتاً حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور لحاظ کا مارا کسان کبھی انکار

نہیں کر سکتا۔

ان مشکلات کے علاوہ اب کچھ عرصے سے ایک نئی جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ جسے "زراعت پیشہ ساہوکار" کہتے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کے لوگ پہلے بھی تھے۔ لیکن جب سے قانون انتقال اراضی نافذ ہوا ہے۔ اور غیر کاشت کار ساہوکاروں کو یہ حق نہیں رہا۔ کہ وہ اپنے روپے کی عدم ادائیگی کی صورت میں کاشتکاروں کی زمینوں پر قبضہ کر لیں۔ "زراعت پیشہ ساہوکار" پیدا ہو گئے ہیں۔ زمینداروں میں بعض ایسے ہیں۔ جنہوں نے امریکہ یا آسٹریلیا جا کر ہزاروں روپے پیدا کئے۔ بعض وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے جنگ کے زمانے میں سرکار کی خدمت کر کے کافی روپیہ فراہم کیا۔ اور بعض وہ بڑے بڑے زمیندار ہیں۔ جن کی آمدنی اتنی ہے۔ کہ پختہ مکان بنانے۔ زمین خریدنے اور شادی کر لینے کے بعد بھی ان کے پاس روپیہ بچ رہتا ہے۔ ان تمام خوشحال اور زردار لوگوں نے ساہوکارہ شروع کر دیا۔ کیونکہ انہیں روپیہ پیدا کرنے کا یہ طریقہ بہت آسان نظر آیا۔ اس کے علاوہ جب قانون انتقال اراضی کے نفاذ کے بعد ساہوکار کے نزدیک کسانوں کی ساکھ صرف فصل کی پیداوار جتنی رہ گئی۔ کیونکہ زمین پر وہ کسی حالت میں قبضہ نہ کر سکتا تھا۔ تو "زراعت پیشہ" ساہوکاروں نے کسانوں کو عام ساہوکاروں سے زیادہ فیاضی کے ساتھ قرض دینا

شروع کر دیا۔ کیونکہ ان کی نظر زمین پر تھی۔ زمین کی قیمت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ اور قانون انتقال اراضی کا زراعت پیشہ ساہوکاروں پر کوئی اثر نہ تھا۔ چنانچہ یہ لوگ بہت جلد اپنے کاروبار میں ترقی کرنے لگے۔ اور آج یہ حالت ہے۔ کہ جالندھر۔ امرتسر۔ لدھیانہ اور ہوشیارپور کے اضلاع میں اُن کا دَور دَورہ ہے۔ اور عام ساہوکار تقریباً بے کار ہو رہے ہیں۔ رہتک کے جاٹوں کا بھی یہی حال ہے۔ اور دوسرے اضلاع میں بھی جابجا زراعت پیشہ ساہوکار نمودار ہو رہے ہیں۔

دوسری فصل

قانون انتقال اراضی

چونکہ آج سے پچیس سال پیشتر تک زمیندار کی ساکھ اس کی زمین کی قیمت کے برابر تھی۔ اور مہاجن اسے محض اس خیال سے دل کھول کر قرضہ دے دیا کرتے تھے۔ کہ ادا نہ ہونے کی صورت میں اس کی زمین کو ہتھیا لیں گے۔ اس لئے مقروض کاشتکاروں کی زمینیں دھڑا دھڑ غیر کاشت کار ساہوکاروں کے قبضے میں منتقل ہونے لگیں + سنہ ۱۸۶۶ء سے اواخر صدی تک کاشتکاروں کی جتنی زمین فروخت ہوئی۔ اس کے متعلق بہت صحیح اعداد و شمار کا ملنا تو دشوار ہے۔ لیکن مسٹر کیلورٹ نے اندازہ کیا ہے کہ سنہ ۱۸۶۶ء سے ۱۸۷۴ء تک تقریباً اٹھاسی ہزار ایکڑ زمین سالانہ فروخت ہوتی رہی۔ اس

کے بعد ہر پانچ سال کی مدّت کا حساب اوسطاً یہ ہے۔ کہ سنہ ۱۸۷۴ء سے
سنہ ۱۸۷۹ء تک ترانوے ہزار ایکڑ سالانہ۔ سنہ ۱۸۷۹ء سے سنہ ۱۸۸۴ء تک
ایک لاکھ ساٹھ ہزار ایکڑ سالانہ۔ سنہ ۱۸۸۴ء سے سنہ ۱۸۸۹ء تک تین
لاکھ دس ہزار ایکڑ سالانہ اور سنہ ۱۸۸۹ء سے سنہ ۱۸۹۴ء تک تین لاکھ
اڑتیس ہزار ایکڑ سالانہ زمین فروخت ہوتی رہی + جو زمین رہن
رکھی گئی۔ اس کا حساب یہ ہے۔ کہ پہلے پانچ سال میں ایک لاکھ
تینتالیس ہزار ایکڑ سالانہ اور اس کے بعد ہر پانچ سال کی مدّت میں
اوسط فی سال دو لاکھ بارہ ہزار۔ دو لاکھ چھیانوے ہزار۔ پانچ لاکھ
نوے ہزار اور پانچ لاکھ چوّن ہزار ایکڑ کی اوسط رہی + لیکن یہ یاد
رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ حساب صوبے کے تمام رقبہ پر حاوی ہے۔ اس
میں سے اراضی مزروعہ غالباً نصف ہو گی + اس کے علاوہ سنہ ۱۸۶۶ء میں
مزروعہ زمین کی قیمت تقریباً دس روپے فی ایکڑ تھی۔ اور سنہ ۱۸۹۳ء میں
۵۹ روپے فی ایکڑ تک پہنچ گئی + اسی طرح زرِ رہن بھی دس روپے
سے ۴۶ روپے فی ایکڑ تک بڑھ گیا + اس طرح گویا سنہ ۱۸۶۶ء اور
سنہ ۱۸۹۳ء کے درمیان زرِ فروخت نو لاکھ سے ایک کروڑ روپے تک
اور زرِ رہن انیس لاکھ سے ایک کروڑ چھیاسٹھ لاکھ تک پہنچ گیا +
سنہ ۱۹۰۰ء میں چار لاکھ چھتیس ہزار ایکڑ زمین فروخت ہوئی۔ (جس
میں سے دو لاکھ پینتیس ہزار ایکڑ مزروعہ تھی) اس زمین کی قیمت ایک

کروڑ بیاسی لاکھ وصول ہوئی۔ اس کے علاوہ پانچ کروڑ تیئیس ہزار ایکڑ زمین رہن رکھی گئی۔ (اس میں سے تین لاکھ چھہتر ہزار ایکڑ مزروعہ تھی) اور زر رہن کی مقدار دو کروڑ اکتیس لاکھ تھی ؛

یہ اعداد و شمار تمہیں خشک اور غیر دلچسپ تو معلوم ہوں گے لیکن ان سے یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ مزروعہ زمین کی فروخت سال بسال اس طرح بڑھتی چلی گئی۔ کہ صوبے کا زمیندار طبقہ اس تباہی خیز آفت سے ہراساں ہو گیا۔ اور آخری اعداد سے یہ معلوم ہوا۔ کہ ۱۸۷۵ء سے ۱۸۹۳ء تک یعنی بیس سال سے بھی کم مدت کے اندر زمینداروں کی گیارہ لاکھ اُناسی ہزار ایکڑ اراضی ساہوکاروں کے قبضے میں منتقل ہو گئی۔ اور خدا جانے کتنے ہزار مالکانِ اراضی محض مزارعین ہو کر مہاجنوں کے رحم کے محتاج رہ گئے ؛

جب یہ خوفناک حالت پیدا ہوئی۔ تو صوبے کے ہر گوشے سے ایک شور فریاد اُٹھا۔ اور زمینداروں کے خیر خواہوں نے حکومت کو اس طرف متوجہ کیا۔ تاکہ آیندہ کاشتکار قومیں زمین کے حق ملکیت سے محروم نہ ہونے پائیں + چونکہ زمین کا کاشتکاروں کے ہاتھ سے نکل جانا قرض کی کثرت کا نتیجہ تھا۔ اور قرض کی کثرت کسانوں کی بڑھی ہوئی ساکھ کی شرمندۂ احسان تھی۔ اس لئے یہ قرار پایا۔ کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے جس سے کسانوں کی ساکھ کم ہو جائے لیکن خوشحالی

میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔ چنانچہ قانون انتقال اراضی کا مسودہ طیار کیا گیا اور وہ بعض ترمیمات و اصلاحات کے بعد ۸۔ جون ۱۹۰۰ء کو صوبے میں نافذ کر دیا گیا + چونکہ یہ قانون ساہوکاروں کی زرکشی پر ایک ضرب کاری کا مترادف تھا۔ اس لئے ان کے حامیوں نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اور مختلف خطرات پیش کئے + بعض لوگ یہ کہتے ہوئے سُنے گئے۔ کہ اس سے زمین کی قیمت گر جائے گی۔ قانون کی دفعات پر پورا عمل درآمد نہ ہو سکے گا۔ ساہوکارہ تباہ ہو جائے گا اور کسانوں کو بوقت ضرورت روپیہ نہ ملنے کی وجہ سے بہت سی مشکلات پیش آئیں گی + لیکن واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ یہ تشویش انگیز پیشین گوئیاں بالکل غلط تھیں۔ قانون کے نفاذ کے بعد اس پر نہایت سکون سے عمل درآمد شروع ہو گیا۔ اور آج تک جاری ہے +

اس قانون کی بڑی بڑی باتیں یہ ہیں۔ کہ اس میں کسی قرضہ کی ادائگی کے لئے ڈگری کی تعمیل کے سلسلے میں مزروعہ زمین فروخت کرنا ممنوع ہے + کاشتکار پیشہ لوگوں کو غیر کاشتکار پیشہ اشخاص کے ہاتھ اراضی مزروعہ فروخت کرنے کی ممانعت ہے۔ لیکن خاص حالات میں اس کی اجازت لی جا سکتی ہے۔ "بنگالی رہن" جس میں بیع کی شرط بھی لگا دی جاتی ہے۔ اس قانون کے ماتحت خلاف قانون قرار پا گیا۔ اور پرانی مرہونہ زمینوں کے جن رہن ناموں میں یہ شرط مندرج تھی۔

وہ بھی اس قانون کے نفاذ کے بعد سے بے اثر قرار دی گئی + اراضی مرہونہ بیس سال کی مدت گزر جانے کے بعد خود بخود رہن کرنے والے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے + کسی زمین مزروعہ کا ٹھیکہ پانچ سال سے زیادہ مدت کے لئے نہیں دیا جا سکتا ۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ اس قانون کے نفاذ کا صوبے پر کیا اثر ہوا + معترضین کہتے تھے۔ کہ اس سے زمین کی قیمت کم ہو جائے گی لیکن حقائق نے اس کا جواب یوں دیا۔ کہ نفاذ قانون سے پیشتر پانچ سال کی مدت میں اراضی مزروعہ کی قیمت اٹھتر روپے فی ایکڑ تھی۔ اس کے بعد پانچ سال کی مدت میں چھہتر رہ گئی۔ لیکن سنہ ۱۹۰۶-۷ء میں ۸۹ روپے فی ایکڑ تک بڑھ گئی۔ اور آج کل تین سو بلکہ بعض اضلاع میں چھ سو روپیہ ایکڑ تک پہنچی ہوئی ہے + اراضی کی فروخت پر اس قانون کا کیا اثر پڑا۔ وہ بھی سُن لو + نفاذ قانون سے پہلے پانچ سال کی مدت میں اوسطاً ایک لاکھ باسٹھ ہزار ایکڑ زمین فروخت ہوئی تھی۔ سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۰۶ء تک ایک لاکھ پینتیس ہزار اور پھر سنہ ۱۹۰۶ء سے سنہ ۱۹۱۱ء تک ایک لاکھ اکیس ہزار ایکڑ تک کم ہو گئی + اس میں شک نہیں۔ کہ سنہ ۱۹۱۱ء سے سنہ ۱۹۱۶ء تک کی مدت میں یہ مقدار پھر بڑھ کر ایک لاکھ چالیس ہزار ایکڑ تک پہنچ گئی۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس دوران میں حکومت نے نہری نوآبادیوں میں خود

زمین فروخت کی تھی + ان اعداد سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب کاشتکار لوگ اپنی زمین کو فروخت کرنے پر بہت کم آمادہ ہوتے ہیں + مسٹر کیلورٹ نے ایک نقشے میں اس امر کو واضح کیا ہے۔ کہ اس قانون کے نفاذ کے بعد اراضی کی خرید و فروخت میں کاشتکار قوموں نے بحیثیت مجموعی فائدہ اُٹھایا ہے۔ گویا یہ لوگ اپنی کھوئی ہوئی زمین از سر نو حاصل کر رہے ہیں۔ وہ نقشہ یہ ہے:-

مدت	کاشتکار قوموں نے کتنی زمین بیچی۔	کاشتکار قوموں نے کتنی زمین خریدی	نقصان یا فائدہ
سنہ ۱۹۰۲-۳ء سے سنہ ۱۹۰۵-۶ء تک	۱۵۰۰۰۰	۱۴۹۰۰۰	ایک ہزار ایکڑ نقصان
سنہ ۱۹۰۶-۷ء سے سنہ ۱۹۱۰-۱۱ء تک	۱۷۰۰۰۰	۱۷۸۰۰۰	آٹھ ہزار ایکڑ فائدہ
سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء سے سنہ ۱۹۱۵-۱۶ء تک	۱۸۸۰۰۰	۲۱۷۰۰۰	انتیس ہزار ایکڑ فائدہ
سنہ ۱۹۱۶-۱۷ء	۱۸۳۰۰۰	۲۰۳۰۰۰	بیس ہزار ایکڑ فائدہ
سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء	۱۶۶۰۰۰	۱۹۱۰۰۰	پچیس ہزار ایکڑ فائدہ

اراضی مرہونہ کا کیا حال ہے۔ اور اس قانون کے نفاذ سے رہن پر

کیا اثر پڑا۔ اس کے لئے ذیل کا نقشہ دیکھو:۔ (اس نقشے میں مزروعہ اور غیر مزروعہ سب زمینیں شامل ہیں)۔

مدت	کاشتکار قوموں نے کتنی زمین رہن رکھی	کاشتکار قوموں نے کتنی مرہونہ زمین چھڑائی	کتنی زمین کاشتکار قوموں کے پاس رہن رکھی گئی
سنہ ۱۹۰۲-۳ء سے سنہ ۱۹۰۵-۶ء تک	۱۹۰۰۰۰	۱۷۸۰۰۰	۱۹۲۰۰۰
سنہ ۱۹۰۶-۷ء سے سنہ ۱۹۱۰-۱۱ء تک	۲۴۰۰۰۰	۲۹۶۰۰۰	۲۱۹۰۰۰
سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء سے سنہ ۱۹۱۵-۱۶ء تک	۲۶۴۰۰۰	۲۷۰۰۰۰	۲۳۸۰۰۰
سنہ ۱۹۱۶-۱۷ء	۲۴۶۰۰۰	۱۹۹۰۰۰	۲۲۰۰۰۰
سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء	۲۸۴۵۰۰	۳۴۸۰۰۰	۲۶۷۵۰۰

اس قانون کے خلاف زیادہ تر دو اعتراض کئے جاتے ہیں + ایک اعتراض تو یہ ہے۔ کہ یہ ہندوؤں کے لئے فائدہ مند نہیں۔ دوسرا یہ ہے۔ کہ "کاشتکار مہاجنوں" کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس قانون کا اثر باطل ہو رہا ہے۔ اور وہ مہاجن کاشتکاروں کی زمینیں دھڑا دھڑ خرید خرید کر انہیں مزارعین بنا رہے ہیں۔ اور صوبے کو اپنی اس خصوصیت سے محروم کئے دے رہے ہیں۔ کہ اس میں چھوٹے چھوٹے

مالک کاشتکاروں کی اکثریت ہے۔ پہلا اعتراض تو اس وجہ سے درست
نہیں معلوم ہوتا۔ کہ جن کاشتکاروں کو اس قانون سے فایدہ پہنچ رہا ہے۔
ان میں سے ایک تہائی ہندو کاشتکار ہیں۔ اور ان کی تعداد سارے
صوبے کے غیر کاشتکار ہندوؤں سے کہیں زیادہ ہے۔ بات اصل میں یہ
ہے کہ اس صوبے میں زیادہ ذی اثر ہندو وہ ہیں۔ جو سوداگری۔ دکانداری
اور ساہوکاری کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ اس قانون کے ماتحت زمین
خریدنے کے حق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے جب وہ اس
پر اعتراض کرتے ہیں۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا سارے صوبے کے
ہندو اس قانون سے ناراض ہیں۔ حالانکہ مشرقی پنجاب کے بیشمار ہندو
جاٹ اس قانون کو اسی طرح اپنے لئے رحمت سمجھتے ہیں جس طرح مغربی
پنجاب کے سکھ اور دوسرے اضلاع کے مسلمان کاشتکار اسے اپنے لئے
مفید خیال کرتے ہیں۔ اس قانون کو مذہبی رنگ دے دینا غلطی ہے
کیونکہ ہندوؤں کے قدیم قانون کا منشا بھی یہی تھا۔ کہ زمین کاشتکاروں
کے لئے محفوظ رہنی چاہئے۔ براہمن۔ چھتری۔ اور شودر قوموں کو
زمین سے کچھ تعلق نہ تھا۔ صرف ویش تھے۔ جو صنعت و حرفت اور
زراعت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں کوئی برہمن
یا چھتری اس امر کا مطالبہ نہ کرتا تھا۔ کہ اسے زمین کی ملکیت کا حق ملنا
چاہئے۔ لیکن آج بہت سے ایسے لوگ جن کا زراعت سے کوئی تعلق

نہیں چاہتے ہیں۔ کہ یہ قانون نہ رہے۔ انہیں کاشتکاروں سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملے۔ اور آہستہ آہستہ صوبے کی ساری زمین ان کے قبضے میں آجائے۔ حالانکہ زمین کا غیر کاشتکار قوموں کے قبضے میں چلا جانا کسی صورت میں بھی صوبے کی اقتصادی خوش حالی کا باعث نہیں ہو سکتا + جو لوگ زراعت کا کام نہیں کرتے۔ اگر وہ زمین کے مالک بھی بن جائیں۔ تو ظاہر ہے۔ کہ بے کار ہے۔ کہ نہ وہ اپنے ہاتھ سے کاشت کر سکتے ہیں۔ نہ زمین کی زرخیزی اور اس کی پیداوار کی دیکھ بھال کر سکتے ہیں + اس لئے ضروری یہی ہے۔ کہ زمین کاشتکاروں ہی کے لئے محفوظ رکھی جائے۔ اور چوں کہ ان کاشتکاروں میں ۳۳ فی صدی ہندو ہیں۔ اس لئے شہریوں کا یہ اعتراض درست نہیں۔ کہ قانون انتقال اراضی ہندوؤں کے لئے نقصان دہ ہے +

رہا دوسرا اعتراض۔ کہ "کاشتکار ساہوکاروں" کے پیدا ہو جانے سے چھوٹے کاشتکاروں کی زمینیں ان کے قبضے میں منتقل ہو رہی ہیں۔ تو اس اعتراض کی معقولیت میں کلام نہیں۔ لیکن یہ اعتراض کرنے والے بھی ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں + بات یہ ہے۔ کہ حکومت ہر قسم کے انتقال اراضی کا سدِ باب نہیں کرنا چاہتی۔ جب تک زمین ذاتی جائداد اور قیمتی چیز ہے۔ اس کا انتقال جاری رہے گا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک شخص کی زمین قیامت تک دوسرے کے نام منتقل

نہ ہو سکے بعض اوقات ایک بڑا کاشتکار اپنی ضرورت سے زیادہ زمین کا مالک ہوتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے۔ کہ تھوڑی سی زمین کسی ایسے کاشتکار کے ہاتھ فروخت کر دے۔ جس کے پاس حد ضرورت سے کم زمین ہو۔ یا کبھی کسی کاشتکار کو اپنی زمین کی قابلیت پیداوار بڑھانے کی غرض سے روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنی تھوڑی سی زمین کسی کے ہاتھ فروخت کر کے آسانی سے روپیہ فراہم کر لیتا ہے۔ اور یہ فروخت اُسے فائدہ پہنچاتی ہے + غرض کاشتکاروں کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آتے ہیں۔ جب وہ زمین بیچنا چاہتے ہیں + اگر انتقال اراضی یک قلم بند کر دیا جائے۔ تو کاشتکار سوسائٹی کے نظام میں بے شمار خرابیاں پیدا ہو جائیں + قانون انتقال اراضی کا اثر یہ ہے۔ کہ جب کوئی کسان زمین فروخت کرنا چاہتا ہے۔ تو سب سے پہلے اپنی برادری میں کوئی خریدار ڈھونڈتا ہے + پھر گاؤں کے کاشتکاروں کو توجہ دلاتا ہے۔ اور اس کے بعد کسی اَور زراعت پیشہ خریدار تک پہنچتا ہے + ہر حالت میں اس کی زمین کسی نہ کسی کاشتکار ہی کو ملتی ہے۔ کوئی بنیا بیاؤ کادار یا ساہوکار اس پر قبضہ کرنے نہیں پاتا :-

اس میں شک نہیں۔ کہ کاشتکار ساہوکار آہستہ آہستہ اپنا جال پھیلا رہے ہیں۔ اور چھوٹے کاشتکاروں کی ایک کافی تعداد ان کے ہاتھوں زمین کی ملکیت سے محروم ہو رہی ہے۔ لیکن اس کا یہ علاج نہیں

کہ قانون انتقال اراضی منسوخ کر دیا جائے۔ بلکہ اس قانون میں کوئی ایسی ترمیم یا کوئی ایسا اضافہ ہونا چاہئیے جس سے چھوٹے کاشتکار کی کما حقہٗ حفاظت ہو سکے ۔ ہمیں امید ہے۔ کہ کاشتکاروں کے خیر خواہ اس ضروری کام کی طرف ضرور توجہ فرمائیں گے ۔

قانون انتقال اراضی کو جو لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو مدنظر نہیں رکھتے۔ کہ دنیا کے تقریباً تمام آزاد ممالک میں اس قسم کے قوانین نافذ ہیں۔ اور امریکہ۔ بلجیم۔ انگلستان۔ ہسپانیہ مصر اور جرمنی کے قوانین انتقال اراضی علی الخصوص بہت بڑی حد تک پنجاب کے قانون سے ملتے جلتے ہیں ۔ جب ہر ملک کے مدبرین نے اپنی اقتصادی مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر اس قسم کے قانون کا نفاذ ضروری سمجھا ہے۔ تو پھر ہندوستان کے کروڑوں غریب کاشتکاروں نے کیا قصور کیا ہے۔ کہ انہیں اس کے فوائد کا مستحق نہ سمجھا جائے ۔ دولت مندوں کو اور زیادہ دولت مند بنانے کی غرض سے ملک کے اصلی مالکوں یعنی زراعت پیشہ لوگوں کو ان کی ملکیت سے بے دخل کرنے کی کوشش کرنا بڑی ناانصافی اور ناعاقبت اندیشی ہے ۔

چھٹا باب

پنجاب کی تعاونی انجمنیں

پہلی فصل

تعاونی انجمنوں کا نظام

اس میں شک نہیں۔ کہ قانون انتقال اراضی نے کاشتکاروں کی زمینوں کو غیروں کے ہاتھوں میں جانے سے بہت بڑی حد تک بچالیا۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ پنجابی کسان کے قرضے میں اس سے کوئی

تخفیف نہ ہوسکی۔ بلکہ یہ خوفناک بوجھ روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ ہم نے جس فصل میں افزونیٔ قرضہ کے اسباب بیان کئے ہیں۔ اس میں بتایا ہے۔ کہ اس قانون کے نفاذ سے پہلے دس سال کی مدت میں یعنی ۱۸۹۳ء سے لے کر ۱۹۰۲ء تک پنجابی کسانوں پر سولہ کروڑ قرضہ کا اضافہ ہوا تھا۔ جب ۱۹۰۱ء میں یہ قانون نافذ ہوا۔ تو کچھ مدت کے لئے بلاشبہ قرضے کی افزونی کی رفتار نرم پڑگئی۔ یعنی ۱۹۰۳ء سے ۱۹۱۲ء تک صرف نو کروڑ روپے کے قرضے کا اضافہ ہوا۔ لیکن اس کے بعد کے دس سال کی مدت نے اگلی پچھلی سب کسر نکال دی۔ اور ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۲ء تک تیس کروڑ روپیہ کا مزید قرضہ کاشتکاروں کے ذمے ہوگیا۔ اس سے صاف معلوم ہوگیا۔ کہ صرف قانون انتقال اراضی ہی کافی نہیں۔ بلکہ کسانوں کا قرضہ کم کرنے کے لئے کچھ اور تدبیر بھی اختیار کرنی ضروری ہے۔

تم گذشتہ فصلوں میں پڑھ چکے ہو۔ کہ کسانوں کو ساہوکاروں کے مظالم اور روز افزوں قرضے سے نجات دلانے کی تدبیر صرف ایک ہے۔ جسے عرف عام میں کواپریشن یا تعاون کہتے ہیں۔ اور جس کے نظام کی ضروری باتیں تمہیں معلوم ہوچکی ہیں۔ پنجاب میں یہ تحریک بیس بائیس سال سے جاری ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ آج صوبے کے تمام طول و عرض میں ہر قسم کی انجمنوں کی مجموعی تعداد

ساڑھے بارہ ہزار سے متجاوز ہے۔ تین لاکھ اٹھاون ہزار کے قریب ان
کے ممبر ہیں۔ اور سات کروڑ سے زیادہ سرمایہ ان انجمنوں کے کاروبار میں
لگا ہوا ہے۔ ان انجمنوں میں سے ساڑھے گیارہ ہزار کے قریب دیہات
کی قرضہ دینے والی انجمنیں ہیں۔ جنہوں نے گذشتہ سال کے دوران
میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپیہ بطور قرض کاشتکاروں کو دیا۔ اگر
سال بھر میں کاشتکاروں کے پورے قرضے کا اندازہ دس کروڑ بھی
کیا جائے۔ جب بھی اس کا تقریباً ۱/۶ حصہ انجمن ہائے تعاون کی طرف
سے دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہئے۔ کہ
کاشتکار لوگ جو قرضہ لیتے ہیں۔ اس کا بہت کم حصہ زراعتی ضروریات
کے لئے ہوتا ہے۔ اور اکثر "غیر مفید" قرضہ لیا جاتا ہے۔ لیکن تعاونی
انجمنیں اندھا دھند قرض نہیں دیتیں۔ بلکہ کسان کی جائز ضرورتوں کو
دیکھ کر دیتی ہیں۔ اور قرضہ دینے سے پہلے یہ بھی دیکھ لیتی ہیں۔ کہ
قسطیں باقاعدہ ادا کر سکے گا یا نہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے
کہ زراعتی ضروریات کے لئے قرضے کا بہت بڑا حصہ تعاونی انجمنوں
ہی نے دیا ہے۔ اب اگر کسانوں نے اپنی مسرفانہ ضروریات کے
لئے ساہوکاروں سے بھی قرض لیا ہو۔ تو اس کی ذمہ داری خود
انہی پر عائد ہوتی ہے۔ تعاونی انجمنوں کا اس میں کیا قصور ہے؟
گذشتہ تین سال کے اندر پنجاب میں تحریک تعاون نے جو ترقی

کی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ذیل کا نقشہ ملاحظہ ہو:۔

انجمن کی قسم	انجمنیں			ارکان کی تعداد			سرمایہ زیر کاروبار		
	سنہ ۱۹۲۳ء	سنہ ۱۹۲۴ء	سنہ ۱۹۲۵ء	سنہ ۱۹۲۳ء	سنہ ۱۹۲۴ء	سنہ ۱۹۲۵ء	سنہ ۱۹۲۳ء	سنہ ۱۹۲۴ء	سنہ ۱۹۲۵ء
بیمہ اونشل بنک	۰	۰	۱	۰	۰	۴۸۶۰	۰	۰	۴۲۲۴۴۸
سنٹرل بنک	۱۱۰	۱۱۳	۱۱۱	۱۱۵۴۸	۱۲۴۴۱	۱۴۱۰۸	۱۸۸۸۰۷۷۳	۲۲۲۷۹۸۵۹	۳۰۰۰۴۱۶۵
زراعتی دیہاتی	۸۸۵۳	۹۷۹۱	۱۱۴۰۸	۲۲۳۳۶۷	۲۵۳۸۳۱	۳۰۵۱۵۱	۲۶۳۸۱۸۲۶	۲۹۳۸۲۵۹۱	۳۶۰۹۹۶۳۷
غیر زراعتی	۴۴۴	۶۰۷	۹۶۸	۱۹۴۲۸	۲۳۶۱۰	۳۲۱۶۸	۱۷۱۲۵۳۲	۳۸۱۱۵۲۹	۳۷۵۰۷۹۰
بیمہ مواشی	۴۰	۳۰	۱	۳۷۵	۱۲۹	۱۷	۶۷۲۵	۵۶۹۲	۵۸
مرکزی انجمنیں جو قرضے کے سوا دوسرے مقاصد رکھتی ہیں	۱۲۳	۸۶	۵۹	۱۶۴۵	۱۱۶۳	۸۶۷	۲۰۷۷۵۵	۱۱۵۵۲۸	۷۸۹۱۷
میزان	۹۵۷۰	۱۰۶۲۷	۱۲۵۴۸	۲۵۶۳۶۳	۲۹۱۱۸۴	۳۵۷۱۷۱	۴۷۱۸۹۶۱۱	۵۵۵۹۵۱۹۹	۷۰۳۵۶۰۱۵

یوں تو تعاونی قرضہ کے اصول ابتدائی ابواب میں نہایت وضاحت سے بیان کئے جا چکے ہیں۔ لیکن تمہاری معلومات کو تازہ کرنے اور پنجاب کے نظام تعاون کو پوری طرح سمجھانے کے لئے مختصر طور پر اُن کا دُہرانا لازم ہے۔ ہندوستان بھر میں تعاونی قرضے کی جو انجمنیں قائم ہیں۔ یہ رائفی سن کے نظام پر مبنی ہیں۔ جس نے آج سے ساٹھ سال پہلے جرمنی کے ایک گاؤں میں سب سے پہلی تعاونی انجمن قائم کی تھی۔ پنجاب میں قاعدہ یہ ہے۔ کہ کم سے کم دس بالغ اشخاص جمع ہو کر ایک انجمن قائم کرتے ہیں۔ اور خود ہی اس کے قواعد بناتے ہیں۔ اس کے بعد کواپریٹو سوسائیٹوں (انجمن ہائے تعاون) کے رجسٹرار صاحب کی خدمت میں ایک درخواست مع نقل قواعد گزرانتے ہیں۔ جس میں یہ لکھتے ہیں۔ کہ ہم فلاں گاؤں کے باشندے ہیں۔ اور اپنے گاؤں میں قرضے کی یا کسی دوسرے مقصد کی تعاونی انجمن قائم کر رہے ہیں۔ آپ اس کی رجسٹری کر لیجئے۔ رجسٹرار صاحب ضروری حالات کے متعلق اپنا اطمینان کر کے اس انجمن کی رجسٹری کر دیتے ہیں۔ اور وہ انجمن اسی دن سے تعاونی انجمنوں کے نظام میں داخل ہو جاتی ہے۔

اگر اس انجمن کے ممبر ایسا کر سکیں۔ تو مساوی رقم کے حصے اپنی گرہ سے فراہم کر کے سرمائے کی بنیاد بھی رکھ دیتے ہیں۔ اور ایک حصے سے

زیادہ دینے کا کسی کو حق نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی ایک سے زائد حصے خرید بھی لے۔ تو اس کو رائے دینے میں کوئی ترجیحی حق حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ ممبر حصے نہ خرید سکیں۔ تو ان کے بغیر بھی انجمن قائم کر لیتے ہیں + یہ ممبر جس رقبے سے جمع ہوتے ہیں۔ وہ ایک یا دو گاؤں سے زیادہ نہیں ہوتا۔ تاکہ ایک دوسرے کے حالات سمجھنے اور کاروبار کرنے میں سہولت ہو۔ سب ارکان کی ذمہ داری غیر محدود ہوتی ہے یعنی اگر ان کی انجمن کسی فرد یا جماعت سے قرض لے۔ یا لوگوں کی امانتیں اپنے سرمائے میں داخل کرے۔ تو ان کی ادائیگی کے لئے ان کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد ایک کفالت سمجھی جاتی ہے + اگر کل سرمایہ یا اس کا کوئی حصہ کسی وجہ سے تلف ہو جائے۔ تو مالک سرمایہ کو حق حاصل ہے۔ کہ انجمن کے تمام ممبروں کی جائداد قرق کر کے ان سے اپنا روپیہ وصول کر لے + اس انجمن کے ارکان اپنی مجلس انتظامیہ اور اپنا سکرٹری خود منتخب کرتے ہیں۔ اور جس حد تک ان کی تعلیم کی اجازت دیتی ہے۔ اپنی انجمن کا حساب کتاب رکھتے ہیں۔ تمام فیصلے سارے ممبروں کی مجلس میں ہوتے ہیں۔ اور قواعد کے ماتحت ممبروں کا داخلہ اور ان کا اخراج مجلس عامہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

یہ انجمن اپنی غیر محدود ذمہ داری کی کفالت پر کسی تعاونی بنک یا کسی ساہوکار سے قرضہ لے سکتی ہے۔ ارکان اور غیر ارکان کی امانتیں

سُود پر اپنے پاس رکھ سکتی ہے۔ اور اس طرح جو سرمایہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ ضرورت مند ممبروں کو بطور قرض دیا جاتا ہے۔ قرض دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ قرض کی میعاد کتنی ہو۔ قسطیں کتنے عرصے کے بعد اور کس مقدار میں وصول کی جائیں۔ ان سب معاملات کا فیصلہ ممبروں کے اتفاق رائے سے ہوتا ہے۔ یوں تو انجمن کے ہر ممبر کا فرض ہوتا ہے کہ قرضہ لینے والے کے حالات کی نگرانی کرے۔ لیکن زیادہ احتیاط کے طور پر ہر قرض کے لئے ایک اور شخص کی ذاتی ضمانت بھی لے لی جاتی ہے۔ قسطوں کی ادائیگی میں وقت کی پابندی کا سخت لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یہ دعوےٰ تو نہیں کیا جا سکتا۔ کہ تمام انجمنیں ان سب قواعد کی پوری پابندی کرتی ہیں۔ بلاشبہ بعض انجمنوں میں نقائص ہیں۔ بے ضابطگیاں ہیں۔ غبن و خیانت بھی ہے۔ نادہندگی بھی ہے۔ لیکن قواعد یہی ہیں۔ اور جو انجمن ان کی پابند نہ ہو۔ اور محکمہ کے سرکاری انسپکٹر یا غیر سرکاری محاسب کی تاکید کے باوجود نقائص کی اصلاح نہ کرے۔ تو رجسٹرار کو حق حاصل ہے۔ کہ اس انجمن کو توڑ دے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ پچھلے آٹھ دس سال سے تعاونی انجمنوں کے حالات میں کافی اصلاح ہو رہی ہے۔ اور ان کے ممبروں میں صحیح طریقے سے کام کرنے کا احساس پیدا ہو چکا ہے۔ یہی وجہ

ہے۔ کہ جس گاؤں میں ایک تعاونی انجمن دو تین سال تک کامیابی کے ساتھ کام کرلے۔ اور اس کے ممبروں میں پوری ہم آہنگی قائم رہے وہاں کے ساہوکار کو یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اس کی شاہی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ چنانچہ بہت سے دیہاتی ساہوکاروں نے اپنا کام کاج چھوڑ کر تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا ہے ؛

قاعدہ تو یہ ہے۔ کہ تعاونی انجمنوں کے کاروبار سے جو منافع ہو۔ وہ سرمایہ محفوظہ میں رکھا جائے۔ اور ممبروں کی منظوری سے رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا جائے۔ لیکن بعض انجمنیں ایسی بھی ہیں۔ جو اس منافع میں سے ممبروں کو نفع کے حصے تقسیم کرتی ہیں۔ لیکن اس قسم کی انجمنیں روز بروز کم ہو رہی ہیں۔ اور انجمنوں کا محفوظ سرمایہ خوب بڑھ رہا ہے۔ ضرورت بھی اسی امر کی ہے۔ کہ ممبروں کے ذاتی منافع کو حتی الامکان بند کر دیا جائے۔ کیونکہ جس کاروبار میں ذاتی منافع کا خیال شامل ہوگا۔ وہ تعاون کے اصول کے خلاف سمجھا جائے گا۔ حصے تقسیم کرنا تعاون پسندوں کا کام نہیں۔ سرمایہ داروں کا شیوہ ہے ؛

دیہات کی انجمنوں کے بعد پنجاب میں بنکنگ یونین قائم ہیں۔ ہر یونین کا رقبہ اثر زیادہ سے زیادہ دس میل کے اندر محدود ہوتا ہے۔ یونین میں افرادی حصہ دار نہیں ہوتے۔ بلکہ اس رقبے کی تمام چھوٹی دیہاتی انجمنیں اس کی ممبر ہوتی ہیں۔ جب فصل کٹتی ہے۔ اور دیہاتی

انجمنوں کے پاس قرضوں کی اقساط یا دوسرے ذرائع سے روپیہ آتا
ہے۔ تو وہ سب سے پہلے اپنے ضرورت مند ممبروں کو آئندہ فصل کے
لئے قرضہ دیتی ہیں۔ اور اس کے بعد جو کچھ بچتا ہے۔ وہ اگر کسی دوسرے
کام میں استعمال نہ کرنا ہو۔ تو بینکنگ یونین میں داخل کر دیتی ہیں +
بعض لوگ یونین میں امانتیں بھی رکھ دیتے ہیں۔ جن پر انہیں سود ملتا
ہے۔ یونین اپنے ماتحت انجمنوں کی نگرانی کا کام بھی کرتی ہے +
بینکنگ یونین کے بعد سنٹرل بنک کا درجہ ہے۔ یہ زیادہ تر اضلاع
کے مرکزوں یا حصہ ضلع کے قصبوں میں قائم کئے جاتے ہیں۔ کوئی
مقامی سرکاری افسر وہاں کے ذی اثر اور دولت مند اشخاص کو آمادہ
کر کے ایک بنک جاری کرا دیتا ہے۔ جس کا سرمایہ فروخت حصص
کے ذریعے سے جمع کیا جاتا ہے۔ اور اس سرمائے سے دیہاتی انجمنوں
کی مدد کی جاتی ہے۔ اس قسم کے بنکوں کو مدد دینے والے مختلف جماعتوں
میں منقسم ہیں۔ بعض مقامی دولت مند لوگ سود کے لئے اپنی امانتیں
ان بنکوں میں رکھتے ہیں۔ بعض اصول تعاون کے حامی محض کاشتکاروں
کو نفع پہنچانے کی غرض سے اس میں حصہ لیتے ہیں۔ بعض چھوٹی انجمنیں
اپنا محفوظ سرمایہ ان بنکوں میں رکھ دیتی ہیں۔ اور سنٹرل بنک ان
انجمنوں کے نمایندوں کو اپنے انتظام میں شریک کر لیتے ہیں۔ غرض
سنٹرل بنک بھی دیہاتی انجمنوں کے لئے بہت بڑا سہارا ہیں۔ کیونکہ

وہ بوقت ضرورت نہایت آسانی سے ان بنکوں سے قرض لے کر
اپنے ضرورت مند ممبروں کو مہیا کر سکتی ہیں ؛
پچھلے سال سے پنجاب میں ایک پراونشل بنک بھی کھول دیا گیا
ہے۔ جس کے ممبر تقریباً پانچ ہزار ہیں۔ اور جو تقریباً سوا چار لاکھ کے
سرمائے سے چل رہا ہے۔ واضح رہے۔ کہ اس بنک کے ممبر افراد
نہیں۔ بلکہ تعاونی انجمنیں ہیں جنہوں نے اس بنک کے حصے خرید
رکھے ہیں۔ یہ بنک ایک انجمن سے دوسری انجمن کو یا ایک بنک سے
دوسرے بنک کو سرمایہ منتقل کرنے کا کام کرتا ہے۔ اور دوسرے صوبوں
کے مالی ادارات سے بھی کاروبار کرتا ہے ؛
اس بیان سے تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا۔ کہ پنجاب میں تعاونی انجمنوں
کا نظام اب نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم ہو چکا ہے۔ اور دیہاتی
انجمنیں اپنے ضرورت مند ممبروں کو روپیہ قرض دینے میں کوئی خاص
مشکل محسوس نہیں کرتیں۔ اگر ان کے پاس روپیہ موجود نہ ہو۔ تو وہ
اپنی کفالت پر سنٹرل بنک یا پراونشل بنک یا کسی ساہوکار سے قرض
لے سکتی ہیں۔ دیہاتی ساہوکار کاشتکاروں سے ۳۷½ فی صدی سالانہ
سود لیا کرتے تھے۔ لیکن تعاونی انجمنیں ان کو زیادہ سے زیادہ بارہ یا
پندرہ فی صدی سالانہ سود پر قرض دے دیتی ہیں۔ اور خود اسی روپے
پر چھ یا نو فی صدی سالانہ سود دیتی ہیں۔ اس طرح جو کچھ منافع ہوتا ہے

وہ سرمایۂ محفوظہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے۔
چونکہ مقروض کاشتکاروں سے قسطیں نہایت باقاعدہ وصول کی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کا بوجھ بھی ساتھ ہی ساتھ اُترتا چلا جاتا ہے۔ اور وہ تعاونی انجمن کو ساہوکار پر ہزار بار ترجیح دیتے ہیں۔

دوسری فصل

تعاونی انجمنوں کے فوائد

گزشتہ پچیس سال کی مدت کے دوران میں تعاونی انجمنوں کی تحریک سے ملک کے کاشتکاروں کو جو گوناگوں فوائد پہنچے ہیں۔ ان کا تفصیلی تذکرہ تو بے انتہا مشکل ہے۔ لیکن ہم اس فصل میں مختصر طور پر ان فوائد کو بیان کریں گے۔ جو صوبہ پنجاب کے کاشتکاروں نے اس نظام سے حاصل کئے ہیں + سب سے پہلے اقتصادی اثرات کا ذکر کرنا چاہئے زمیندارہ بنکوں کے قیام سے جہاں کاشتکاروں کو اس امر کی ترغیب ہوتی ہے۔ کہ ساہوکار سے قرضہ لے کر عمر بھر کی غلامی قبول نہ کریں۔ بلکہ تعاونی انجمن سے تعلق پیدا کر کے قسطوں کے ذریعے سے قرض ادا کرتے چلے جائیں۔ وہاں انہیں یہ شوق بھی پیدا ہو گیا ہے۔ کہ اپنی

آمدنی میں سے کچھ رقم پس انداز کر کے زمیندارہ بنک میں بطور امانت
رکھ دیں۔ تاکہ ایک تو ان کا روپیہ محفوظ رہے۔ دوسرے اس میں خود
بخود اضافہ بھی ہوتا رہے۔ بہت سے کاشتکاروں اور زمینداروں نے
جو اپنا روپیہ مٹی کے برتنوں میں ڈال کر زمین کے نیچے دبا دیا کرتے تھے
یا ہمیانی میں بھر کر اسے ہر وقت کمر سے باندھے پھرتے ہیں۔ اپنی تمام
جمع جتھا زمیندارہ بنکوں کے حوالے کر دی ہے۔ اور وہ بے شمار روپیہ
جو دیہات کے کونوں کھدروں میں بیکار پڑا ہوا تھا۔ حرکت میں آ کر
صوبے کی اقتصادی بہبود پر خوشگوار اثر ڈال رہا ہے۔ ہزاروں
مقروض کاشتکار ساہوکاروں کے چنگل سے نجات پا کر عزت اور آرام
کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور جوں جوں ان کا قرضہ اترتا چلا جاتا
ہے۔ ان میں اشیا کی خریداری کی قابلیت بڑھتی چلی جاتی ہے جس
کا نتیجہ یہ ہے کہ صنعت و حرفت کی مانگ روز بروز زیادہ ہو رہی
ہے۔ چونکہ تعاونی قرضے نے شرح سود کم کر دی ہے۔ اور بہت سا
سرمایہ لے کر زراعتی مقاصد میں لگا دیا ہے۔ اور جس سے اتنا سود
وصول ہو رہا ہے۔ جو صنعتی کمپنیوں کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتا۔
لہذا ہندوستانی سرمایہ صنعت و حرفت میں بیش از بیش لگایا جا رہا
ہے۔ گویا بالواسطہ اس تعاون کے نظام نے صوبے کی صنعت و حرفت
کو بھی ترقی دی ہے۔

اس میں شک نہیں۔ کہ تعاونی انجمنوں کے قیام سے بظاہر صوبے
بھر کے قرضے میں کوئی بہت بڑی تخفیف نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر غور سے
اعداد و شمار کو دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ غیر مفید قرضہ روز بروز کم
ہو رہا ہے۔ اور اس کی جگہ مفید قرضے لے رہا ہے ۔ جو صوبے کی
زراعتی نشو و ارتقا کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ۱۷ جاٹوں نے
جن کی اوسط آمدنی فی کس چار پانچ سو روپے سالانہ کے قریب ہوگی
ایک تعاونی انجمن قائم کی۔ دس سال کی مدت کے اندر ان کے حصے
اور غیر تقسیم شدہ منافع مل ملا کر کل رقم بیس ہزار سے بھی بڑھ گئی۔
اور بارہ ہزار روپیہ قرض بھی اس انجمن نے ادا کر دیا۔ ۸۸۰ ایکڑ زمین
کا کاروبار بھی کیا گیا۔ جس میں سے کچھ روپیہ ادا کر کے چھڑائی گئی۔ کچھ
خریدی گئی۔ اور کچھ رہن رکھ لی گئی۔ کچھ کنویں کھودے گئے۔ اور
سات کنوؤں پر کلدار نل لگا دیئے گئے۔ اب یہ انجمن اپنے پاؤں پر
آپ کھڑی ہے۔ اور اس کے ممبر اب کبھی قرضہ لیتے ہیں۔ تو وہ ان کا
اپنا ہی روپیہ ہوتا ہے۔

جن انجمنوں نے دس سال کی عمر پوری کر لی ہے۔ ان میں سے
۱۵۵۹ انجمنوں کے حالات فراہم کئے گئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان
کے پچپن ہزار ممبر ہیں۔ ۸۹ لاکھ روپیہ قرضہ لے کر ادا کیا جا چکا ہے۔
بیس ہزار ایکڑ زمین چھڑائی گئی۔ ساڑھے پندرہ ہزار ایکڑ زمین خریدی

لاکھ روپے کے بدلے میں رہن رکھ لی گئی۔ اور تیرہ ہزار سات سو ایکڑ اراضی تینتیس لاکھ روپے کو خرید ی گئی + اکتالیس لاکھ روپیہ ان انجمنوں کے پاس ممبروں کے حصوں اور غیر تقسیم شدہ منافع کا جمع ہے۔ اور ۳۳ فی صدی یعنی اٹھارہ ہزار ممبر قرضے سے بالکل امین ہو چکے ہیں + دوسرے لفظوں میں گویا قرض تو ۸۹ لاکھ ہے۔ اور بضاعت ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ اول الذکر رقم سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ بحساب اوسط فی ممبر ۱۶۲ روپیے کی تخفیف ہوئی + آج کل پنجاب کی تعاونی انجمنوں کے ارکان کی تعداد تقریباً تین لاکھ ساٹھ ہزار ہے + اگر بحساب اوسط ۱۶۲ روپے فی ممبر ہی تخفیف سمجھی جائے۔ تو یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ گزشتہ دس سال کے اندر صوبے کے قرضے میں پانچ کروڑ تراسی لاکھ بیس ہزار روپیہ کی تخفیف ہوئی + اس میں شک نہیں۔ کہ قرضے کی افزونی کے مقابلے میں یہ رقم کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اسی دس سال کی مدت میں صوبے کا قرضہ بقدر تیس کروڑ کے بڑھ چکا ہے۔ لیکن بہر حال ایک علاج تو ہاتھ آ گیا۔ اور ایک ذریعہ تو معلوم ہو گیا۔ جس کو وسعت دینے سے قرضے کی بڑھتی ہوئی رو کا سد باب کیا جا سکتا ہے +

پنجاب میں ایک بہت بڑی مصیبت یہ تھی۔ کہ بعض زمینداروں کی مملوکہ زمینیں مختلف دیہات میں یا گاؤں کے مختلف حصوں میں بکھری

ہوئی ہوتی تھیں۔ مثلاً ایک شخص آٹھ ایکڑ زمین کا مالک ہے جس میں سے دو ایکڑ تو اس کے اپنے گاؤں کے پاس ہی واقع ہے۔ دو ایکڑ وہاں سے تین میل دور ہے۔ تین ایکڑ دریا کے پار کسی گاؤں میں واقع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس + پندرہ سال سے ماہرین اقتصاد اور سرکاری افسر اس مشکل کا مداوا سوچ رہے تھے۔ لیکن آخرکار مسٹر کیلورٹ کو ایک تدبیر سوجھی + آپ نے سوچا۔ کہ یہ کام بھی تعاونی انجمنوں کے ذریعے سے نکالا جائے۔ تو بہتر ہے۔ چنانچہ تین سال کی مدت میں آپ نے ۱۳۳- ایسی انجمنیں قائم کر دیں۔ جن کا مقصد صرف یہی تھا کہ بکھری ہوئی اراضی کو جمع کر دیں۔ چنانچہ تین سال کے اندر اندر ان انجمنوں نے پینتیس ہزار ٹکڑوں کو جمع کر کے کل ساڑھے چار ہزار کھیت بنا دیئے + اس کے بعد ضلع جالندھر میں ۹۰۷ چھوٹے چھوٹے کھیتوں کو ۱۱۰۴- قطعات کی صورت میں مبدّل کر دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جو ٹکڑے پہلے آدھ آدھ ایکڑ کے تھے۔ وہ تین تین ایکڑ کے وسیع کھیت بن گئے + ظاہر ہے۔ کہ اس کام کے لئے مختلف زمینداروں کو زمین کے بعض ٹکڑے لے لینے اور بعض چھوڑ دینے پر رضامند کرنا بے انتہا دشوار ہے۔ اور روحِ تعاون کے بغیر اس کا سرانجام ہونا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا ٭

تعاونی انجمنوں نے دیہات کے لوگوں میں تنظیم و ترتیب کی جو

قابلیت پیدا کر دی ہے۔ اس سے فایدہ اُٹھا کر اُنھوں نے بعض دیہات میں پنچایتیں بھی قائم کر لی ہیں۔ اور قسم کھالی ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہوگا۔ اپنے مقدمے عدالتوں میں نہ لے جائیں گے۔ کیونکہ کسانوں کو عدالتوں میں مارا مارا پھرنا اور وکیلوں کا محتاج بن کر سخت مصیبتیں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ اور تعاونی انجمنیں مقدمات پر خرچ کرنے کے لئے روپیہ قرض دینے پر بہت ہی مشکل سے آمادہ ہوتی ہیں۔ اگرچہ اس قسم کی پنچایتیں ابھی عام نہیں ہوئیں۔ لیکن چونکہ بعض مقدمات پر تعاونی انجمنوں نے ان کی مثالیں پیدا کر دی ہیں۔ اس لئے امید ہے۔ کہ بہت جلد صوبے میں ان کی تقلید کی جائے گی۔ اور آہستہ آہستہ ایک دن ایسا آئے گا۔ جب کسان دیوانی مقدمات کے لئے کبھی سرکاری عدالتوں میں نہ آیا کریں گے۔ ان دیہاتی پنچایتوں میں جہاں مالی خصومات کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ وہاں گاؤں کے رہنے والوں کی بعض قابل اعتراض حرکات پر سزائیں بھی دی جاتی ہیں۔ اور چونکہ تعاونی انجمنیں اور پنچایتیں گاؤں کے تمام ذی اثر آدمیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس لئے مجرم پنچایت کی دی ہوئی سزا کو نہایت خاموشی سے قبول کر لیتا ہے۔ اور پوری برادری کے سامنے اُسے وہ سزا دی جاتی ہے۔

تحریک تعاون نے پنجاب کے کاشتکاروں کی اخلاقی حالت پر بھی

بہت گہرا اثر ڈالا ہے + جن دیہات میں تعاونی انجمنوں کی حالت اچھی
ہے۔ وہاں جاکر دیکھو۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ شراب خواری۔ قمار بازی۔
اور آوارہ گردی کا نام و نشان تک نہیں رہا۔ شادی و غمی کی رسموں پر
اسراف بہت بڑی حد تک کم ہو چکا ہے۔ شادیوں پر رنڈیوں کا ناچ
اور آتش بازی عملاً متروک ہو چکے ہیں۔ شرابی اور قمار باز کو جرمانہ
کیا جاتا ہے + اور اگر اس پر بھی وہ باز نہ آئے۔ تو وہ انجمن سے نکال
دیا جاتا ہے + اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب تعاونی انجمن میں ہر ممبر کو
دوسرے ممبر کی مالی حالت اور اس کے اخلاق کا نگراں رہنا پڑتا ہے
تاکہ انجمن کے قرضے کی ادائگی میں کسی قسم کا خلل نہ پڑے۔ اور انجمن
کے ممبروں کو خود ہی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ تو وہ سب ایک دوسرے
کی طرف سے چوکنے رہتے ہیں۔ اور یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے۔ کہ
کوئی شخص انجمن سے قرضہ لے کر شراب اور جوئے میں اڑا دے۔
یا شادی و غمی کی رسموں پر خرچ کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے +
اس کا اثر یہ ہوا ہے۔ کہ اکثر شرابیوں اور قمار بازوں نے توبہ کر لی
ہے۔ اور نہایت شریف اور نیک بن کر تعاونی انجمنوں میں شامل
ہو گئے ہیں۔ تاکہ اپنے ہم چشموں میں عزت کی نگاہ سے بھی دیکھے جائیں
اور جائز ضروریات پر قرض بھی آسانی سے مل سکے ؞
اس تحریک کے تعلیمی اثرات بھی نہایت نمایاں ہیں۔ چونکہ

روپیہ کے کاروبار میں پڑکر اکثر اہل دیہات کا ذہن کچھ جاننے بوجھنے کی طرف
مائل ہو گیا ہے۔ اس لئے ان میں تعلیم کا چرچا بھی ہو رہا ہے۔ چنانچہ
بعض مقامات پر تعاونی انجمنوں کے ماتحت ابتدائی سکول اور مدارس
شبینہ قائم ہیں۔ جن کا سارا خرچ وہ انجمنیں ہی برداشت کرتی ہیں +
بعض انجمنیں بعض مدارس کو سالانہ امداد دیتی ہیں۔ اور پنجاب کے
بعض مقامات پر شبینہ مدارس بہت اچھا کام کر رہے ہیں + ان میں
بچے سے لے کر بوڑھے تک پڑھتے ہیں۔ اور مسٹر ڈارلنگ نے
لکھا ہے۔ کہ "ایک گاؤں میں ہم نے دوکان دار بڑھئی۔ لوہار۔ بہشتی
کمہار۔ جلاہے اور سنار کو بھی کاشتکاروں کے ساتھ ہی بیٹھ کر تعلیم
حاصل کرتے دیکھا ہے "+

تعاون نے پنجاب کے دیہات میں حفظان صحت کی بھی کسی قدر
تحریک پیدا کر دی ہے + بعض مقامات پر چند انجمنیں مل کر کسی مرکزی
گاؤں میں ایک ہسپتال قائم کر دیتی ہیں۔ جہاں اُن دیہات کے
مریضوں کا علاج مفت کیا جاتا ہے + دیہات کی انجمنیں جب مناسب
سمجھتی ہیں۔ اپنے اپنے ہاں کی صفائی کا کما حقہ انتظام کرتی ہیں۔
ان جوہڑوں اور گڑھوں کو جن میں برسات کا پانی جمع ہو کر بیماری
پیدا کرتا ہے۔ بھروا دیتی ہیں۔ کوڑی کے لئے گاؤں سے ذرا دور
گڑھے بنوا دیتی ہیں۔ تاکہ غلاظت گاؤں کے آس پاس نہ رہنے پائے +

موسمی بخار کے زمانے میں سو دوسو روپلے کی کونین منگا کر گاؤں میں تقسیم کر دیتی ہیں۔ تاکہ حفظ ما تقدم کی تدبیر ہو سکے۔ گاؤں کے مشترکہ کنووں کی بلنڈیں بنوا دیتی ہیں۔ تاکہ مواشی اور انسانوں کی جانیں بھی خطرے میں نہ رہیں۔ اور آس پاس کا کوڑا کرکٹ بھی کنوئیں میں گر کر پانی کو خراب نہ کرے ؛؛

غرض ان فوائد کو کہاں تک بیان کیا جائے حقیقت یہ ہے۔ کہ پرانے زمانے میں ہندوستان کے دیہات کی پنچایتیں جس اعلےٰ درجے کے نظام پر قائم تھیں۔ اور اپنے اپنے علقہ اثر کے اندر خود ہی بنک۔ خود ہی عدالت اور خود ہی میونسپل کمیٹی کا کام دیتی تھیں۔ اسی طرح آہستہ آہستہ تعاونی انجمنیں بھی دیہات کی زندگی کا جزو لاینفک بنتی چلی جا رہی ہیں + اگر کسانوں نے اس تحریک کا دل و جان سے ساتھ دیا۔ تو چند سال تک یہ حالت پیدا ہو جائیگی۔ کہ دیہات کا انتظام شہروں سے بھی بہتر ہوگا۔ اور انکی خوشحالی و فراغ بالی بڑے بڑے صنعتی مرکزوں کی دولتمندی پر جی کھول کر ہنسے گی + کاشتکار قوم کی ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتے ہیں۔ محبان وطن کو لازم ہے۔ کہ کاشتکاروں کی حالت کو بہتر بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ اور قوم کی کمر کو قرض کے بوجھ تلے ٹوٹنے سے بچالیں اس کا طریقہ صرف یہی ہے۔ کہ صوبے کے ہر گاؤں میں تعاونی انجمن قائم ہو۔ اور گاؤں کا ایک ایک کاشتکار اس کا ممبر بن جائے ؛؛

ساتواں باب

مختلف ضروری مسائل

پہلی فصل

تعاونی انجمنوں کی مختلف قسمیں

چونکہ دنیا کا اقتصادی نظام تمام تر اشیا کے پیدا کرنے والوں اور استعمال کرنے والوں پر مشتمل ہے۔ اور چند کاشتکاروں کے سوا ہر شخص بعض اشیا کو استعمال کرنے کے علاوہ بعض اشیا پیدا بھی کرتا ہے۔

اس لئے تعاونی انجمنوں کا اصول اقتصادی زندگی کے ہر شعبے میں کام دے سکتا ہے + یہی وجہ ہے۔ کہ قرضے کی تعاونی انجمنوں کے علاوہ اور بھی بیسیوں انواع و اقسام کی انجمنیں قائم کی جا چکی ہیں اور ابھی کچھ معلوم نہیں۔ کہ آئندہ یہی نظام دنیا کے اور کس کس شعبے میں قائم کیا جائے گا + صرف زراعت ہی کے شعبے میں تعاونی انجمنوں کی بے شمار قسمیں ہیں۔ مثلاً کھاد اور بیج اور آلات کشاورزی بہم پہنچانے والی انجمنیں۔ اراضی کے مختلف چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جمع کرنے والی انجمنیں۔ آبپاشی کا انتظام کرنے والی انجمنیں۔ کسانوں کی پیدا کی ہوئی اجناس کو منڈیوں میں بیچنے والی انجمنیں۔ مکھن اور دودھ مہیا کرنے والی۔ مواشی کی نسل کشی اور پرورش کرنے والی۔ مواشی کا بیمہ کرنے والی۔ زمین کو رہن رکھنے والی اور چارے کا ذخیرہ رکھنے والی انجمنیں دنیا کے مختلف ممالک میں قائم ہیں۔ اور ان میں بعض اقسام کی انجمنیں پنجاب میں بھی موجود ہیں + ان سب انجمنوں کا منشا یہی ہے۔ کہ جو کام فرداً فرداً کرنے سے زیادہ خرچ اور کم آمدنی کا موجب ہوتا ہے۔ وہ مشترکہ و متحدہ طور پر کیا جائے۔ تاکہ خرچ کم ہو۔ اور فائدہ زیادہ پہنچے + اسی طرح غیر زراعتی انجمنیں بھی بے شمار ہیں۔ لوہار۔ بڑھئی۔ تیلی۔ کمہار اور دوسرے اہل حرفہ متحد ہو کر اپنی تعاونی انجمنیں قائم کر لیتے ہیں۔

جن کی وجہ سے انہیں اپنی ضروریات بھی ارزاں مل جاتی ہیں۔ اور اپنی تیار کردہ اشیا کو فروخت کرنے کا بہتر موقع بھی حاصل ہو جاتا ہے
ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ شہری اور دیہاتی تمام لوگ تعاونی انجمنوں کی روح عمل کو کما حقہٗ سمجھیں۔ اور اس کے بعد اس کو عمل میں لانے کی کوشش کریں + تجارتی اور صنعتی اغراض کے لئے جو انجمنیں قائم کی جا سکتی ہیں۔ ان کے متعلق تو اس کتاب میں بعض اشارات موجود ہیں۔ ہم تو یہاں تک تجویز کرنے کو طیار ہیں۔ کہ قوم کی ابتدائی تعلیم کا کام بھی تعاوِن ہی کے ذریعے سے ہونا چاہئے۔ مثلاً ایک شہر کے کسی محلّے میں یا کسی گاؤں میں چند بچوں کے والدین مل کر اپنی ایک تعلیمی تعاونی انجمن بنالیں۔ اور ایک مدرس کو ملازم رکھ کر بچوں کی تعلیم کا کام اس کے سپرد کردیں + ہر بچّے کے ذمے ماہواری فیس کی ایک چھوٹی سی رقم ڈال دی جائے۔ تاکہ مدرس کی تنخواہ اور دوسرے مصارف پورے ہو سکیں + اگر فیس کی آمدنی مصارف سے زیادہ ہو۔ تو بقایا رقم ایک سرمایۂ محفوظ کی صورت میں جمع ہوتی رہے۔ تاکہ اس سے مدرسے کی حالت میں اضافہ کیا جا سکے۔ یہ ہم نے محض مثال کے طور پر لکھا ہے۔ اسی طرح ہر مادّی و غیر مادّی ضرورت کے لئے تعاونی انجمنوں کے اصول سے کام لیا جا سکتا ہے +
ہم نے تعاونی انجمنوں کی دوسری اقسام کے متعلق اس کتاب میں

کوئی تفصیلی بحث نہیں کی + اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں اصول تعاون کے ماتحت زیادہ تر قرضے ہی کی انجمنیں قائم ہیں۔ اور اگر زراعت پیشہ اصحاب انہی کو پوری پوری تقویت دے دیں۔ تو دوسری قسم کی انجمنوں کے لئے خود بخود گنجائش نکل سکتی ہے + ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ دیہات میں قرضے کی انجمنوں کو کامیاب بنانے کے لئے پوری کوشش کی جائے۔ اور شہروں میں دفتروں کے کلرک کارخانوں کے مزدور چھوٹے دکان دار اور کاریگر اپنی اپنی تعاونی انجمنیں قائم کریں۔ جن میں قرضہ دینے کے علاوہ مشترک طور پر اشیا کے خریدنے اور بیچنے کا انتظام کیا جائے۔ تاکہ چیزوں کے پیدا کرنے والوں اور استعمال کرنے والوں کو براہ راست تعلقات قائم کرنے کا موقع ملے۔ اور درمیانی آدمی خواہ مخواہ فائدہ نہ اٹھا جائیں + اگر ہر قوم ہر برادری اور ہر پیشے کے افراد اپنی تنظیم کے لئے صرف اصول تعاون ہی کو پیش نظر رکھ لیں۔ تو ہماری قطعی رائے یہ ہے۔ کہ وہ تھوڑے ہی عرصے میں اُن تمام برکات سے بہرہ ور ہو جائیں گے۔ جو تعاونی انجمنوں سے اہل دیہات کو حاصل ہو رہی ہیں۔ اور جن کا ذکر گزشتہ فصل میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے ؞

دوسری فصل

تعاونی انجمنیں اور حکومتِ وقت

جو لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ کہ تعاونی انجمنوں کا نظام حکومت کی مدد کا محتاج ہے۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ تعاونی نظام فی الحقیقت حکومتِ وقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اسے سیاسیات سے کوئی واسطہ نہیں۔ بین الاقوامی اقتصادیات سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ یہ تو صرف چند افراد قوم کے مل بیٹھنے اور دیانت کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرنے کا نام ہے۔ اس میں حکومت کو مداخلت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بلکہ ہمارے نزدیک تو اصلی تعاونی انجمن وہی ہے۔ جو حکومت کی مدد کے بغیر کامیاب ہو جائے۔ کیونکہ اس کی کامیابی اس امر کا ثبوت ہو گی۔ کہ انجمن کے ارکان دیانت دار

ہیں۔ اور تعاون کے اصول پر نہایت ذمہ داری سے عمل درآمد کر کے اس اصول کی صحت کا عملی اعلان کر رہے ہیں۔

دنیا میں انسانوں کی قومیں جدا جدا ہیں۔ برادریاں الگ الگ ہیں طبقے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور تمدنوں میں فرق و تفاوت ہے۔ لیکن صرف ایک چیز ہے۔ جو آدم کی ساری اولاد میں مشترک ہے۔ یعنی روٹی۔ اس پر ساری دنیا ایک جگہ جمع ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دیانت اور کفایت کے ساتھ روٹی پیدا کرنے والی تحریک یعنی تعاون اپنی کامیابی کے لئے نہ اس امر کی محتاج ہے۔ کہ اس کو اختیار کرنے والے کسی خاص مذہب کے پابند ہوں۔ نہ اس کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ ایک ہی طبقے یا ایک ہی پیشے سے تعلق رکھتے ہوں۔ نہ یہ تحریک اس امر کو کوئی اہمیت دیتی ہے۔ کہ حکومت اس کی مدد کرتی ہے یا نہیں۔

آئرلینڈ جس زمانے میں اپنی آزادی کے لئے بہادرانہ جدوجہد کر رہا تھا۔ ملک میں چاروں طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ اور کسی کو اس امر کی امید نہ تھی۔ کہ آئرلینڈ کسی طرح حکومت کے ماتحت بھی مطمئن اور پُر امن ہو سکے گا۔ لیکن اس قیامت خیز دور میں بھی تعاونی انجمنیں اپنا مفید کام برابر کر رہی تھیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ شمع آزادی کے پروانے اپنی اقتصادی حالت سے بالکل بے فکر ہو کر جدوجہد میں مصروف تھے۔

آج کل آئرش فری سٹیٹ" قائم ہے۔ اور امن و امان کی ہوائیں چل رہی ہیں۔ آج بھی تعاونی انجمنیں بدستور اپنے فیض رسان کام میں مشغول ہیں۔ اور آئرلینڈ والوں کو منظم کر رہی ہیں ÷

تعاونی نظام کے حیرت انگیز استقلال اور اس کی ہمہ گیر وسعت کا صحیح اندازہ کرنا ہو۔ تو روس کے حالات کا مطالعہ کرو۔ جہاں پہلے زارِ روس کی جابرانہ حکومت قائم تھی۔ اور آج بولشویکوں کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ لیکن تحریک تعاون نے زار کی حکومت کے جبر و تشدد کے باوجود اہل روس کے قلوب پر اپنا سکہ جما لیا تھا۔ اور انقلاب کے تخریبی اثرات کے بعد بھی یہ تحریک اپنی پوری شان کے ساتھ جاری رہی + آج یہ تحریک روس میں بے انتہا طاقتور ہے۔ اور جنگ عظیم کے دوران میں بھی روس کا نظام تعاون اس ملک کے بہترین اقتصادی نظاموں میں سے تسلیم کیا جاتا تھا + روس کی آبادی کے مختلف باشندوں میں جو تاتاریوں۔ کرغیزوں۔ ارمنوں اور گرجوں پر مشتمل ہیں۔ تعاونی انجمنیں قائم ہیں۔ ماسکو کی شنیاوسکی یونیورسٹی نے تعاونی خیالات کی اشاعت میں بے اندازہ کوشش کی ہے۔ اور ایسے ایسے ماہرین فن تعاون مہیا کئے ہیں۔ جن کے لکچر سننے کے لئے روس کے دور دست مقامات سے بھی طلبہ جوق در جوق آ رہے ہیں + روس بھر کی تعاونی کانگرس اس سارے نظام کا مرکز ہے۔ جو ملک بھر کی تعاونی انجمنوں کی

نگرانی کر رہی ہے۔ اور کارکنوں کی شبانہ روز محنت کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ روس کے گوشے گوشے میں ہر قسم کی تعاونی انجمنیں نہایت سرعت کے ساتھ پھیلتی جا رہی ہیں + سب سے زیادہ مشہور ماسکو کی وہ یونین ہے۔ جو "تھوک فروشی" کا کام کرتی ہے۔ اور اسی قسم کی انگریزی اور سکاٹش انجمنوں کے ساتھ کاروبار کرتی ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ روس کی تعاونی انجمنوں کی سرگرمیاں تمام دنیا پر پھیل چکی ہیں۔ یہ انجمنیں اپنے گیہوں انگلستان۔ سکاٹ لینڈ اور ہالینڈ کے ہاتھ بیچتی ہیں۔ مکھن انگلستان اور ڈنمارک کے پاس فروخت کرتی ہیں۔ اور سن کی تجارت آئرلینڈ۔ سکاٹ لینڈ۔ جاپان اور امریکہ کے ساتھ کرتی ہیں + اسی طرح دوسرے ملکوں کی انجمنیں روسی انجمنوں کے ساتھ کاروبار کرتی ہیں۔ اور انہیں روسیوں کی ضروریات بہم پہنچاتی ہیں + غرض روسیوں نے اپنی تعاونی انجمنوں کو بھی عملاً ایک "بین الاقوامی تعاونی نظام" بنا کر دکھا دیا ہے ❊

یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ روس کی تعاونی انجمنوں کو نہ کبھی زار روس کی حکومت نے تسلیم کیا۔ نہ سوویٹ حکومت انہیں کوئی مدد دیتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس تحریک کا اس قدر وسعت و تقویت حاصل کرنا۔ کہ اس پر ایک بین الاقوامی نظام کا دھوکا ہونے لگے۔ دراصل ایک معجزہ ہے + اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تحریک

کسی حکومت۔ کسی جماعت اور کسی سیاسی عقیدے سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ اپنے تمام پہلوؤں میں آزاد و خود مختار ہے۔

قرضے کی تعاونی انجمنوں کا موجدِ اوّل رائفی سن لکھتا ہے کہ تعاونی انجمنوں کو حتی الوسع کسی قسم کی سرکاری امداد قبول نہ کرنی چاہئے۔ نہ خاص حقوق و مراعات کا مطالبہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے ارکان کو اپنے آپ پر اعتماد کرنے کی عادت نہیں پڑتی۔ اور پھر حکومت بھی ان کے کاموں میں دست اندازی کرنے لگتی ہے۔ رائفی سن کا یہ اصول نہایت عمدہ ہے۔ اور اس کی صداقت میں کلام نہیں لیکن کیا کیا جائے۔ ہندوستان میں ابھی اس امر کا احساس عام نہیں ہوا۔ کہ مشترک فوائد کے لئے مشترک جدوجہد کرنا اور دیانت۔ ایثار اور کفایت شعاری کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آئے دن بعض دیہات سے یہ خبریں موصول ہوتی رہتی ہیں۔ کہ فلاں تعاونی انجمن کے صدر اور سکرٹری اتنا روپیہ کھا گئے۔ یا رجسٹروں میں فلاں جگہ گڑبڑ کی گئی۔ اور یہی باعث ہے۔ کہ حکومت کی نگرانی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ تاکہ کوئی خائن شرارت نہ کرسکے۔ مقروض اپنی قسطیں باقاعدہ ادا کرتے رہیں۔ اور جب تعاونی انجمن کو روپے کی ضرورت ہو۔ تو اسے دربدر نہ ہونا پڑے۔ بلکہ حکومت کی معرفت آسانی سے قرضہ مل جائے۔ ہم دل سے چاہتے ہیں۔ کہ پنجاب کے دیہاتی

اتنے تعلیم یافتہ اور سوجھ بوجھ والے ہو جائیں۔ کہ اپنے تمام تعاونی کاروبار
کو دیانت اور کفایت سے چلا سکیں۔ اگر یہ صورت پیدا ہو جائے۔ تو
پھر یقیناً حکومت کی مداخلت غیر ضروری ہو جائے گی ۔

مسٹر سٹرکلینڈ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ کہ تعاونی قرضے کی انجمنیں
ہندوستان میں حکومت کی مالی امداد سے نہیں چل رہی ہیں۔ بلکہ اس
وقت ان انجمنوں کے کاروبار میں جتنا سرمایہ لگا ہوا ہے۔ اس کا
پچاس فی صدی حصہ تو ممبروں کے حصوں اور قرضے کی رقوم سود پر
مشتمل ہے۔ دس فی صدی وہ امانتیں ہیں۔ جو ممبروں نے تعاونی
بنکوں میں رکھ دی ہیں۔ باقی چالیس فی صدی تجارتی قرضہ ہے۔ جو
کارپردازان انجمن کسی جگہ سے کم سود پر حاصل کرتے ہیں۔ اور اپنے
ممبروں کو کسی قدر زیادہ سود پر دے دیتے ہیں + انجمنوں کا انتظام
بھی حکومت یا سرکاری آدمیوں کے قبضے میں نہیں ہے۔ بلکہ خود
ان کے ممبر ہی انتظام کرتے ہیں۔ ان کے حسابات کی پڑتال بھی
غیر سرکاری آدمی ہی کرتے ہیں۔ البتہ ان پر کسی قدر سرکاری نگرانی
ضرور ہے۔ سرکاری افسر کسی پر کوئی زبردستی نہیں کر سکتا بلکہ نصیحت
اور مشورے سے کام لیتا ہے۔ حکم دینے کا حق اسے قانون کے رو
سے حاصل نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی انجمن میں نہایت ہی سخت بے
ایمانی ہو رہی ہو۔ تو اسے بند کر دینے کا اختیار سرکاری افسروں کو ضرور

حاصل ہے۔ تاکہ اس سے کسانوں کو نقصان نہ پہنچے ؎

آخر میں ہم مختصراً وہ حقوق و مراعات بیان کئے دیتے ہیں۔ جو حکومت نے اس تحریک کے لئے منظور کر رکھے ہیں۔ (قانون نمبر۲ انجمن ہائے امداد باہمی ۱۹۱۲ء)

(۱) انجمن ہائے تعاون جائز انجمنیں تسلیم کر لی گئی ہیں ؎

(۲) ہر سال رجسٹرار کا عملہ ان انجمنوں کے حسابات کی پڑتال مفت کرتا ہے ؎

(۳) بعض حالات میں تعاونی انجمن کو مقروض آدمی سے دوسرے قرض خواہوں کے مقابلے میں اپنے قرضے وصول کرنے کا ترجیحی حق حاصل ہے ؎

(۴) کوئی عدالت ان انجمنوں کے ممبروں کے حصے اور اُن کا سود کسی صورت میں قرق نہیں کر سکتی ؎

(۵) ہر عدالت کا فرض ہے۔ کہ حسابات کی جن نقول پر انجمن کے کسی عہدے دار کے دستخط ہوں۔ اسے بطور شہادت تسلیم کرنے میں تامل نہ کرے ؎

(۶) آمدنی کا ٹیکس انجمنوں کے لئے معاف کر دیا گیا ہے ؎

(۷) اسٹامپ بھی معاف ہے ؎

(۸) رجسٹریشن ایکٹ کے ماتحت جو فیس دینی پڑتی ہے۔ وہ بھی انجمنوں

کو معاف ہے۔

(۹) تعاونی انجمنوں کو بھی حصول اراضی میں وہی سہولتیں دی گئی ہیں۔ جو کمپنیوں کو حاصل ہیں۔

(۱۰) کواپریٹو کی اصطلاح کے استعمال کا قانونی حق صرف تعاونی انجمنوں ہی کو حاصل ہے۔

(۱۱) ان انجمنوں یا ان کی شاخوں کے درمیان انتقال زر کے لئے ہر خزانے سے آر۔ ٹی۔ آر مل سکتا ہے۔

(۱۲) اگر انجمنیں آپس میں یا ان کے مالی کارندے ایک دوسرے کو منی آرڈر کے ذریعے سے روپے بھیجیں۔ تو ان سے منی آرڈر کی فیس نہ لی جائے گی۔

(۱۳) (صرف بمبئی میں) قانون اعانت مزارعین دکن کی دفعہ ۱۰ و دفعہ ۲۱ کے سوا باقی کسی دفعہ کا اطلاق کسی تعاونی انجمن پر نہ ہو سکے گا۔

(۱۴) انجمنیں ڈاک خانوں کے سیونگ بنکوں میں حساب کھول سکتی ہیں۔ ہیڈ پوسٹ ماسٹروں اور سب پوسٹ ماسٹروں کو اجازت ہے اس قسم کے حسابات بامید منظوری فوراً کھول لیں۔ انجمنیں ہر صدر کے ڈاک خانے سے تین دن کے نوٹس پر۔ اور دوسرے ڈاک خانوں سے ۷ دن پیشتر اطلاع دے کر تین ہزار کی رقم اپنے حساب میں سے نکال سکتی ہیں۔ اور دس دن پہلے نوٹس دے

دیں۔ تو دس ہزار روپے تک کی رقم واپس لے سکتی ہیں ؛
(۱۵) (بمبئی میں) انجمنوں کے ممبروں کو اپنی انجمنوں کی وساطت سے رقوم تقاوی حاصل کرنے کا حق حاصل ہے ؛
(۱۶) بعض صوبوں میں انجمنوں کو حق حاصل ہے۔ کہ اپنے مضبوط صندوق سرکاری خزانوں میں بطور امانت رکھ سکتی ہیں ؛

چند آخری کلمات

اس مختصر کتاب کے مطالعہ سے تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ صوبۂ پنجاب کے کاشتکاروں کی حالت کیا ہے۔ اُن پر کس قدر ہولناک قرضہ مسلط ہے۔ اور اس کے باعث وہ دن بدن کس طرح مفلس اور بے بس ہوتے جا رہے ہیں + تم نے یہ بھی دیکھ لیا۔ کہ اس مصیبت کا علاج انجمن ہائے تعاون قایم کرنے کے سوا کچھ نہیں، اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ اگر سارے صوبے کے کاشتکار تعاونی انجمنوں کے ممبر ہو جائیں۔ اور پنجاب کا کوئی گوشہ اس فیض رسان نظام سے محروم نہ رہے۔ تو کاشتکاروں کا سارا قرضہ دس سال کے اندر اندر اُتر سکتا ہے۔ اور اس کے بعد صوبے کی خوش حالی اس درجۂ کمال کو پہنچ سکتی ہے۔ کہ ساری دنیا اس پر رشک کرے + اس لئے ہر محبّ وطن اور درد مند پنجابی کا فرض ہے۔ کہ اس تحریک کو تقویت پہنچائے۔ اور اس کو مقبول عام بنانے

میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے ۔

کاشتکار بھائیوں کی خدمت میں یہ گزارش ہے ۔ کہ آپ لوگ کب تک اپنی چھوٹی شیخی اور بیجا غرور کو لئے ہوئے بیٹھے رہیں گے ۔ اور کب تک ساہوکار کے پنجۂ استبداد میں پھنسے رہ کر اپنی اور اپنے بچوں کی دنیا و عاقبت خراب کریں گے ۔ خدا کے لئے اُٹھئے ۔ اپنے گاؤں کے لوگوں کو جمع کیجئے ۔ ان میں تعاونی نظام کا پروپیگنڈا کیجئے ۔ اور انہیں اس پر آمادہ کر کے ایک انجمن قائم کر دیجئے ۔ اس کے قواعد و ضوابط بنائیے ۔ پھر رجسٹرار صاحب کے پاس درخواست بھیجئے ۔ تاکہ آپ کی انجمن رجسٹر کر لی جائے ۔ اور آپ اس عظیم الشان نظام میں شامل ہو جائیں ۔ جس کی بنیاد ۔ شرافت ۔ دیانتداری ۔ کفایت شعاری ۔ ایثار اور نیک نیتی پر مبنی ہے ۔ انجمن کیونکر قائم کی جاتی ہے ۔ درخواست کا فارم کس صورت میں بھرا جاتا ہے ۔ اس کے حسابات کیونکر رکھے جا سکتے ہیں ۔ یہ تمام معلومات اپنے علاقے کے انسپکٹر (انجمن ہائے تعاون) سے حاصل کیجئے ۔ اور اس کے بعد اپنے ارکان سے چھوٹے چھوٹے حصے وصول کیجئے ۔ ان کی امانتیں اپنے زمیندارہ بنک میں رکھئے ۔ اس کے بعد جو ممبر قرضہ مانگیں ۔ ان کی ضروریات ۔ ان کی حیثیت ان کی قابلیت ادائیگی ۔ اور ان کی اخلاقی حالت کا اندازہ کر کے انہیں قرض دیجئے ۔ اگر آپ کے پاس اندوختہ

نہ ہو۔ تو رجسٹرار کی معرفت کواپریٹو یونین یا کواپریٹو سنٹرل بنک سے طلب کیجئے۔ پھر مقروض آدمیوں سے باقاعدہ قسطیں وصول کر کے ادا کرتے چلے جایئے۔ اور ان قرضوں پر جو منافع ملے۔ وہ اپنی انجمن کے سرمائے میں داخل کرتے جایئے + اگر اسی طرح آپ کی کوشش جاری رہی۔ تو انشاء اللہ ایک دن ایسا آئے گا۔ کہ گاؤں میں ایک بھی مقروض باقی نہ رہے گا۔ اور تعاونی انجمن گاؤں والوں کی سب سے بڑی محسن جماعت سمجھی جائے گی + جب انجمن کو کچھ بچت ہونے لگے۔ تو گاؤں میں دوسری اصلاحات کیجئے۔ کہیں پکا کنواں بنوایئے کہیں مشترکہ سرمائے سے رہٹ لگوایئے۔ کہیں مواشی کی خرید و فروخت کیجئے۔ غرض ہر طرح اپنا سرمایہ بڑھانے اور اس کے فوائد کا دائرہ وسیع کرنے کی کوشش کیجئے۔ اور یاد رکھئے۔ کہ اگر کاشتکاروں کی حالت کو بہتر بنانے کا کوئی موثر ترین طریقہ ہے۔ تو وہ یہی ہے۔ کہ تعاونی انجمنوں کو قائم کر کے محنت اور ایمان داری سے چلایا جائے +